www.Paksociety.com
پاک سوسائٹی
ڈاٹ کام
www.paksociety.com
چلو آزماتے ہیں
فائزہ افتخار
www.Paksociety.com

چلو آزماتے ہیں

فائزہ افتخار

چلو آزماتے ہیں

میں نے ایک بار پھر اس لاحاصل بحث سے توجہ ہٹا کر خود کو ارد گرد کے کسی منظر میں گم کرنا چاہا۔ مگر ہر منظر دلچسپی سے اتنا ہی خالی تھا جتنی کہ امی اور ابو کی یہ بحث۔

نادیہ اپنے چھوٹے والے بیٹے کو گود میں لئے ہل ہل کر مسلسل اسے سلانے کی کوشش کر رہی تھی۔ درمیان میں کئی بار وہ عادت سے مجبور ہو کر کوئی نہ کوئی رائے دیتی۔ کبھی اس کی آواز سے، تو کبھی ابو کی اونچی ہوتی آواز پہ وہ بیچارہ نیند میں جاتا جاتا ہڑبڑا کے رہ جاتا۔ ایک احتجاجی چیخ مارتا اور نادیہ بحث میں حصہ لینے کی خواہش دباتے ہوئے اس کے کاندھے پہ جبری تھپکیاں دے کر اسے دوبارہ آنکھیں موندنے پہ مجبور کر دیتی۔

ودیعہ اپنے سدابہار اترے ہوئے چہرے پہ وہی مخصوص بیچارے سے تاثرات سجائے کبھی ابو، تو کبھی امی کا چہرہ تک رہی تھی۔ اس کا ہاتھ پورا منہ میں تھا۔ یوں تو اسے ناخن کترنے کی بے ہودہ عادت تھی ہی۔ لیکن پریشانی کے عالم میں خصوصاً جب کسی کی اس پر نظر بھی نہ پڑ رہی ہو۔ کسی کے ٹوکنے کا ڈر بھی نہ ہو، وہ موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ایک آدھ ناخن پہ اکتفا نہیں کرتی تھی۔

ساری کی ساری انگلیاں منہ میں ٹھونس لیتی تھی۔ مجھے سخت گھن آئی۔ میں نے منہ پھیر لیا۔

اس طرف نادیہ کے تینوں بچے لائن بنا کے کارپٹ پہ بیٹھے تھے۔ان کے خاندانی بڑے بڑے دیدے ٹی وی اسکرین پہ ٹکے تھے۔دوسرے نمبر والے، عمر کی نظریں بے شک ٹی وی پہ تھیں مگر لمبے لمبے کھڑے ہوئے کان کمرے میں ہورہی نانی، نانا کی بحث حفظ کرنے میں مصروف تھے۔

اسے یہ ساری باتیں من وعن اپنی دادی اور پھوپھیوں کو جو سنانا تھیں۔ میں نے بھی ٹام اور جیری کے پھڈوں پہ توجہ دینی چاہی۔فی الوقت یہی ایک چیز کم اکتا دینے والی تھی۔

"آپ بے شک ہادیہ سے پوچھ لیں۔اس کی اپنی مرضی بھی یہی ہے۔"

امی کو میرا کارٹونز میں پناہ لینا گوارا نہ ہوا اور اچھی بھلی جاری اس زبانی کلامی جنگ میں انہوں نے مجھے گھسیٹ لیا۔میں پھر بھی ڈھیٹ بنی عمر اور عمران سے بڑھ کر کارٹون میں گم ہونے کی اداکاری کرنے لگی۔

"میں تم سے پوچھ رہا ہوں ہادیہ!"

جب دوسری بار ابو نے ذرا کڑک لہجے میں آواز دی تو مجھے ان کی جانب دیکھنا ہی پڑا اور عمر کو میری جانب۔اب اس کے صرف کان ہی بڑوں کی باتوں پہ نہیں لگے تھے، وہ گھوم کے پورا کا پورا اس طرف ہو گیا تھا۔شاید خالہ کو پڑنے والی متوقع ڈانٹ کا مزا سنی سنائی پہ نہیں، آنکھوں دیکھے حال سے لینا چاہتا تھا۔میں نے بھی اس چھ سال کے بالشت بھر بی جمالو کے ارمانوں پہ پانی پھیرنے کا سوچا۔

"مجھ سے کیا پوچھ رہے ہیں ابو! جیسی آپ کی مرضی۔جو بھی آپ دونوں کا فیصلہ ہو۔"

"میں بڑی تابع دار معصومیت سے کہا۔حالانکہ میرا ووٹ امی کی طرف تھا اور میں نے موقع ملنے پہ اس ووٹ کو استعمال کرنے کا بھی سوچ رکھا تھا۔اب امی اسی موقع کو گنوانے پہ مجھے غصے سے گھور رہی تھیں۔

"یہ میری اولاد ہے۔میری۔۔۔۔تربیت ہے۔"ابو کو میری تابعداری خوش کر گئی۔اور کم ہی باتیں ایسی تھیں جو انہیں خوش کر پاتی تھیں۔اور ایک المیہ یہ بھی تھا کہ جن باتوں پہ وہ خوش ہو ہی جایا کرتے۔(اتفاقاً یا معجزتاً) ان باتوں پہ امی کا پارہ ہائی ہو جاتا تھا۔

"اور میری تو کچھ نہیں لگتی۔آپ کی اماں آپ کے لیے بند ڈبہ خرید لائی تھیں جیسے۔"

غصے میں وہ بڑے بڑے شوشے چھوڑا کرتیں،اس قدر تناؤ بھرے ماحول میں بھی ہم سب کو مسکراہٹ چھپانا مشکل ہو گیا۔یہ تکلف بھی ہم نہ کرتے۔(مسکراہٹ چھپانے کا) مگر اس "شوشے" میں دادی جان کا ذکر تھا اور اس ذکر پہ ہمارا کھلکھلانا ابو کو مزید مشتعل کر سکتا تھا۔

"اماں نے ایک ہی بار میرے لیے کچھ لانے کی غلطی کی تھی اور وہ تھیں تم۔۔۔۔اس کے بعد انہوں نے خود ہی توبہ کر لی۔"

"چلو یہ بھی اچھا ہوا۔خود ہی تائب ہو گئیں ورنہ آج یہاں غلطیوں کے ڈھیر لگے ہوتے۔"

"کہنا کیا چاہتی ہو؟"ابو گرجے۔۔۔۔عمر نے ایک بار پھر دیدے ادھر گھمائے بڑا چسکا تھا اسے سن گن لینے کا۔اس عمر میں یہ عالم۔میں نے اسے گھور کر سہمانے کی ناکام کوشش کی۔

"آپ لوگ کس بے کار بحث میں اپنا وقت ضائع کر رہے ہیں۔"نادیہ کا چھوٹا آئٹم بالآخر ایک طویل پر تشدد جدوجہد کے بعد نیند کی وادیوں میں زبردستی دھکیل دیا گیا تھا۔اسے ایک طرف لٹانے کے بعد وہ پوری تیاری اور فل والیم کے ساتھ میدان میں اتری تھی۔

"ایک مبارک فریضہ ادا کرنے جا رہے ہیں آپ اور بے کار کی کل کل ڈال رکھی ہے۔"بے کار۔۔۔۔یہ لفظ

وہ کثرت سے استعمال کرتی تھیں۔

"تم چپ رہو۔ تمہارے اپنے گھر کیا کم کل کل ہوتی ہے۔ تمیز تک نہیں ماں باپ سے بات کرنے کی۔" امی نے اسے چپ کرانا چاہا۔

"لو۔۔۔ میں نے کیا بدتمیزی کی؟" اس نے مجھے دیکھا۔ مگر میں سب کچھ سنتے ہوئے بھی ظاہر یہی کر رہی تھی جیسے "بے بی لونی ٹونز" کے علاوہ اس وقت میرے لیے کچھ اہم نہیں۔

"ادھر تو بات کرنا محال ہے۔ کوئی ڈھنگ کا مشورہ ہے اب تمہارے پاس۔" ابو جانتے تھے کہ اب اس کا اگلا پروگرام کیا ہوگا۔۔۔ ناراضی۔۔۔ سامان سمیٹ کر واپس سسرال جانے کی دھمکی۔۔۔ بچوں کو مارنا پیٹنا۔۔۔ وغیرہ وغیرہ۔۔۔

"اگر آپ لوگ اس پہ متفق نہیں ہو پا رہے کہ آپ کے حج پہ روانہ ہونے کے بعد ودیعہ اور ہادیہ کہاں رہیں گی۔ پھوپھو کی طرف یا ماموں جان کے ہاں، تو اس بے کار بحث کو یہیں ختم کریں۔ آپ لوگ سکون سے حج کی ادائیگی کے لیے روانہ ہوں۔ ان دونوں کی فکر نہ کریں۔ یہ میرے ساتھ فیصل آباد چلی جاتی ہیں۔"

میری نظروں کے سامنے ٹی وی اسکرین پہ اچھلتے کودتے 'اٹھکیلیاں کرتے۔' "بے بی لونی ٹونز" کے پیارے پیارے ٹویٹی 'پیٹونیا' بگز بنی' اور لورا دیکھتے ہی دیکھتے ڈریکولا اور دی ممی جیسی ہارر فلموں کے کرداروں میں تبدیل ہو گئے۔

ودعیہ کا ہاتھ کلائی تک منہ کے اندر چلا گیا۔

"اپنا مشورہ اپنے پاس رکھو۔" اگر امی یہ بات کہنے میں لمحہ بھر کا بھی توقف کرتیں تو میرا ہارٹ فیل ہو جاتا۔

"کوئی تک کی بات بھی تو ہو بھلا۔۔۔ تمہارے ساتھ کہاں بھیج دوں ان جوان لڑکیوں کو؟"

"کیوں میرے ساتھ جانے میں کیا برائی ہے؟" نادیہ تیز ہوئی۔

"بہن ہوں ان کی، بڑی بہن کے ساتھ اس کے گھر نہیں رہ سکتیں یہ؟ اور کون سا خدانخواستہ عمر بھر رہنے کی بات ہے۔ مہینہ ڈیڑھ مہینہ لگے گا زیادہ سے زیادہ۔"

"تمہارے گھر رہنے میں حرج نہیں مگر تمہارا کوئی گھر بھی تو ہو۔ تم تو خود بھری سسرال میں رہتی ہو۔" امی کی بات پہ نادیہ کو واقعی صدمہ ہوا۔

"تو کیا سسرال میرا گھر نہیں؟ اگر ایسی بات تھی تو کیوں شادی کی تھی میری۔ ایسے گھر میں؟ کیوں بے گھر کیا مجھے؟ شادی سے پہلے شرط رکھوا دیتے الگ گھر کی۔"

"الٹا مطلب مت نکالا کرو ہر بات کا۔" ابو نے ڈانٹ کر اس کی جذباتی تقریر کو روکا۔

"وہ بے شک تمہارا گھر ہے تم وہاں کی بہو ہو، مگر یہ دونوں اس گھر کی کچھ نہیں ہیں۔ وہ لوگ غیر ہیں ان کے لیے۔ ہم غیر، انجان لوگوں میں بچیاں کیسے بھیج دیں؟ تمہارا گھر بھی تو منڈی ہے پوری۔ آدھ درجن مرد دندناتے پھرتے ہیں تمہاری بیاہی نندیں بھی اپنے مردوں سمیت آتی جاتی رہتی ہیں۔ اب تمہارا میاں تو ان کا بہنوئی ہوا۔ بڑا بھائی لیکن اس کے بہن بھائی، تمہارے جیٹھ، دیور، نندوئی وغیرہ کے ہوتے ہوئے میں جوان بچیاں کیسے بھیج دوں؟ بات کی نزاکت کو سمجھتے ہیں۔ منہ بنا کے نہیں بیٹھ جاتے۔"

"انہوں نے کہا تھا کہ ودعیہ اور ہادیہ کو ساتھ لے آنا۔ میری چھوٹی بہنوں کی طرح ہیں۔ اب میں انہیں کیا

جواب دوں۔بے کار کی شرمندگی۔"

"جو تمہارے ابو نے کہا ہے وہ بتا دینا۔اس میں شرمندگی والی کیا بات ہے۔"

کچھ دیر قبل ایک دوسرے کی ہر بات زور شور سے رد کرنے والے امی ابو،اس ایک مرحلے پہ خاصے ہم خیال ثابت ہو رہے تھے۔

"وہ برا نہیں منائیں گے کیا کہ ان کے بھائی کوئی بدمعاش ہیں جو ان کے ڈر سے آپ بیٹیاں نہیں بھیج رہے۔"

"ہاں،ہیں بدمعاش۔۔۔کہہ دینا اسے۔"ابو نے ڈپٹ کر کہا۔وہ داماد کے رعب میں آنے والے شخص نہیں تھے۔یا یوں کہیے کہ ہمارے بہنوئی صاحب۔یعنی ان کے داماد وہ شخص نہیں تھے جو کسی پہ بھی رتی برابر رعب ڈالنے کے قابل ہوں۔

"تم دونوں میاں بیوی کو برا ماننے کے علاوہ کچھ آتا بھی ہے۔میں پوچھتی ہوں تم حج پہ روانہ ہونے والے ماں باپ سے ملنے آئی ہو یا بات بات پہ برا ماننے۔پرسوں سے یہی کچھ لگا رکھا ہے۔"

امی کی عادت بھی عجیب تھی۔جب نادیہ اپنے گھر ہوتی تھی تو ہر وقت اس کا ذکر۔۔۔اس کی یاد۔۔۔اس کی تعریفیں اور اسی کی مثالیں۔۔۔میری نادیہ 'یہ اور میری نادیہ وہ۔۔۔

ہماری ہر بات کا موازنہ نادیہ سے کیا جاتا۔

"نادیہ تم دونوں کی طرح نہیں تھی۔"

"نادیہ کی شادی کے بعد میں تم دونوں نکمی بیٹیوں کے آسرے پہ ہوں۔اس نے سارا گھر سنبھالا ہوا تھا۔"

"توبہ۔۔۔تم دونوں کی ہٹ دھرمیاں،ایک وہ نادیہ بھلی تھی جس نے کبھی پلٹ کر "ہوں" تک نہیں

کی۔"

پتہ نہیں یہ کس نادیہ کی باتیں تھیں،شاید اس کی جو شادی سے پہلے اس گھر میں رہتی تھی۔شاید تقریباً ایسی ہی بے زبان سی تھی۔مگر جو نادیہ شادی شدہ زندگی کے سات آٹھ سالوں میں تپ کر کندن بنی سامنے تھی وہ پلٹ

کر "ہوں" "اب بھی نہیں کرتی تھی" "خوں خوں" "ضرور کرتی تھی'پنجے تیز کر کے۔

لیکن اس کی غیر موجودگی میں امی اس کی پرانی باتیں ہی یاد دلا دلا کر ہمیں شرمندہ کرنے میں مصروف رہتیں۔

ہر آئے گئے کے سامنے نادیہ کی تعریفیں کرنے میں مصروف رہتیں۔کیسے اس نے کم عمری کے باوجود اتنے بڑے سسرال میں نباہ کر لیا۔

کتنی آسانی سے بالکل مختلف مزاج کے لوگوں میں ایڈجسٹ ہو گئی۔کیسے پوری گھرہستی اور چار بچوں کو ذمہ داری سے سنبھالا ہوا ہے وغیرہ وغیرہ۔

اور اس کے میکے آتے ہی سارا منظر تبدیل ہو جاتا۔

امی کو ہر عادت چبھنے لگتی اس کی۔اس کی زبان درازی،اس کی سستی،اس کے بچوں کی بدتمیزیاں،اور اس کا شوہر خصوصاً اپنے اس فی الحال اکلوتے داماد سے خاص پرخاش تھی امی ابو کو،حالانکہ بے ضرر اور شریف شوہروں والی ساری خصوصیات موجود تھیں ہمارے بہنوئی صاحب میں۔

مزے کی بات تو یہ تھی کہ نادیہ کا چکر لگے دوسرا مہینہ ہو جاتا تو ان ہی امی ابو کی بے چینی بھی عروج پہ ہوتی۔

فون پہ فون کر کے اسے بلاوے بھیجے جاتے۔ وہ ہفتہ بھر رہنے آتی۔ خوب سر منہ چوما جاتا اس کا اور بچوں کا اور اگلے دن سے پھر وہی سب کچھ شروع۔

"تم نے بچوں کی عادتیں کتنی خراب کر دی ہیں نادیہ!" یہ ابو ہوتے۔

"کتنا شور مچاتے ہیں، لڑتے کس قدر ہیں اور گالم گلوچ۔ ایسا ماحول ہے تمہارے گھر کا؟ بچوں کو گالیاں سکھائی جاتی ہیں۔"

"میں نے ماحول پرکھ اور جانچ کر شادی نہیں کی تھی۔ آپ نے شادی کی تھی۔ جانچنا پرکھنا آپ کا کام تھا۔ اب میں دنوں میں وہاں کا ماحول تو بدلنے سے رہی۔" وہ تنک کر جواب دیتی۔

"سارا دن سوئی پڑی رہتی ہو۔ توبہ پیسے کتنے برباد کرتی ہو۔ سارا دن فون کان سے لگا رہتا ہے۔" امی کے اعتراض تھے۔

"میرے میاں نے لے کر دیا ہے موبائل فون، آپ کے فون کا بل تو نہیں بڑھا رہی اور یہاں آکر بھی کیا آرام نہ کروں۔ سسرال میں تو گدھوں کی طرح کام کرنا ہی پڑتا ہے۔"

وہ روٹھ جاتی۔ ادھر اُدھر بکھرے بچوں کے کپڑے بیگ میں ٹھونسے جاتے۔ بچوں کو ہانک کر جوتے پہنائے جاتے۔ ملازمہ کو رکشہ ٹیکسی لانے بھیجا جاتا۔ اب وہ آگے آگے۔۔۔ پیچھے پیچھے امی ابو۔ منا کر بمشکل واپس بٹھایا جاتا۔ رات کا کھانا پُر تکلف بنتا یا باہر کھایا جاتا۔

یہی رویہ ان کا اپنے داماد کے ساتھ تھا۔ پیٹھ پیچھے اس کی سو سو برائیاں زیر بحث آتیں۔ اس کی سادگی اور احمقانہ باتوں پر ہنسا جاتا۔ اس کے کم تعلیم یافتہ ہونے اور ذرا پینڈو بیک گراؤنڈ ہونے کے رونے روئے جاتے مگر جب

وہ نادیہ کو لینے آتا تو پورا ڈیڑھ دن اس کو مہاراجوں والا پروٹوکول ملتا۔

"کیا ہم دونوں کے ساتھ بھی یہی کچھ ہو گا۔" مجھے بیٹھے بٹھائے اپنی اور ودیعہ کی فکر لگ گئی۔

"ہادیہ! میرے بچوں کو بھوک لگی ہے 'انہیں نگٹس فرائی کر دو' ساتھ میں فنگر چپس بھی۔"

یہ آرڈر نادیہ نے مجھے دیا تھا اور مجھے ڈھٹائی کا مظاہرہ کرنے میں کمال حاصل تھا۔

"ودیعہ! اٹھو بھی۔ جاؤ بچوں کو کچھ کھانے کو دو۔" امی کو بھی مجھ سے خاص امید نہ تھی، اس لیے نادیہ کے بگڑنے سے ذرا پہلے انہوں نے ودیعہ کو اٹھا کر گویا معاملہ رفع دفع کر دیا۔ وہ ابھی ابھی کھانے کے ڈھیروں برتن دھو کے بیٹھی تھی مگر اپنی بیچاری سی شکل کو کچھ اور بیچارہ بنا لینے کے سوا کچھ کرنے کی ہمت نہیں تھی اس میں، اس لیے مرے مرے قدموں کے ساتھ کچن میں چلی گئی۔

"اب تم بھی ذرا ہل لو۔" امی نے نادیہ کو بھی منظر سے غائب کرنا چاہا۔ "بچے صبح سے گندے سندے بیٹھے ہیں۔ موقع ایسا ہے کہ کوئی نہ کوئی ملنے آتا رہتا ہے۔ ان کے منہ ہاتھ دھلواؤ'، کپڑے بدلواؤ۔"

وہ بھی بڑبڑاتی۔ بچوں کو گردنوں سے پکڑ کر گھسیٹتی دوسرے کمرے میں لے گئی۔

"میں کہتی ہوں ضد چھوڑیں، ابھی فیصلہ کر لیں، ورنہ امتیاز کے آنے کے بعد یہی قصہ دوبارہ تازہ ہو گا۔ اب داماد کو بار بار انکار کرتے کیا ہم اچھے لگیں گے۔ فیصلہ ہو جائے تو کہہ دیں گے کہ میاں بچیاں تو اپنے ماموں کے ہاں رہیں گی پھر کیا کہے گا وہ۔"

"ماموں کے ہاں نہیں، پھوپھی کے ہاں۔" ان کی چکنی چپڑی پالیسی کا ابو پہ کوئی اثر نہ ہوا۔

"عجیب ضد ہے، کیسے رہیں گی یہ دونوں وہاں۔ پندرہ سال بعد آپ کی بہن پاکستان لوٹی ہے۔ نہ اس کی ان دونوں سے انسیت، نہ ان کا پھوپھو سے کوئی لگاؤ۔ بچوں کی بھی آپس میں بے تکلفی نہیں۔ وہاں یہ اجنبیت محسوس کریں گی۔ جبکہ ماموں کے ہاں آتی جاتی رہتی ہیں۔ کئی کئی دن یہ جا کر رہتی ہیں، کئی دن وہ بچیاں یہاں گذار کے جاتی ہیں، ان کو اپنے گھر کا ماحول ملے گا۔"

"لگاؤ ساتھ رہنے سے پیدا ہوتا ہے۔ میری بہن سے ان کا خون کا رشتہ ہے، محبت تو فطری ہو گی۔ ساتھ رہنے سے بڑھ بھی جائے گی۔ ننھیال والوں نے بہت حق جتا لیا، اب میری بہن کی باری ہے۔ ساری عمر وہ بھائی کی اولاد کے لاڈ اٹھانے کو ترستی رہی ہے، اب موقع ملا ہے تو تم روڑے اٹکا رہی ہو۔"

"آپ کو بتا کر ترستی رہی ہے۔۔۔؟ پندرہ سالوں میں کبھی بچیوں کی تصویریں تک منگوانے کی خواہش نہیں کی۔ عید، بقر عید پہ کارڈ بھیج دیا۔ آدھی رات کو سال میں ایک مرتبہ چند منٹ کا فون کر لیا اور بس۔۔۔ نبھ گیا رشتہ۔۔۔ پوری ہو گئی لاڈ اٹھانے کی حسرت۔ بھتیجی کی شادی پہ بھی آنے کی تکلیف نہیں کی۔"

"اور وہ جو نادیہ کی شادی پہ چار تولے کا سونے کا سیٹ بھیجا تھا وہ یاد نہیں۔ ساتھ میں امتیاز کے لیے قیمتی گھڑی اور تھری پیس سوٹ تھا۔ کئی جوڑے، میک اپ اور پرفیوم نادیہ کے لیے تھے۔ ساتھ دس ہزار نقد۔۔۔ اسی لیے نہیں آئی وہ کہ ٹکٹ پہ پیسہ برباد کرنے کی بجائے بھائی کو دوں، اس کے کام آ جائے۔" ابو کی اس کی بات کی تائید میرے دل نے بھی کی۔ واقعی پھوپھو نے دل کھول کر تحائف دیے تھے۔ نادیہ کے علاوہ ہمارے لیے بھی بہت کچھ تھا۔ شادی کے دو دن تو ہم نے پھوپھو کے بھیجے قیمتی ملبوسات ہی پہنے تھے۔ فراخ دل تو وہ واقعی تھیں، پچھلے سال جب ہمیشہ ہمیشہ کے لیے پاکستان آئیں تو ملاقات کے لیے آتے ہوئے بیگ بھر کے امپورٹڈ

تحائف لائی تھیں۔ نادیہ کے بچوں تک کے ریڈی میڈ کپڑے 'جوگرز اور کھلونے تھے۔ آٹھ مہینے پہلے جب اپنے نئے گھر کی خوشی میں تقریب کی 'ہر آنے والے مہمان کو مٹھائی کے ساتھ نیا اَن سلا سوٹ بھی ملا مگر یہ وجہ کافی نہیں تھی میرے وہاں جا کر رہنے پر رضامند ہونے کی۔

آٹھ ماہ پہلے ان کے گھر کا پہلا دورہ کچھ خاص خوشگوار ثابت نہیں ہوا تھا۔ نہ صرف میرے لیے بلکہ امی اور ودیعہ کے لیے بھی۔

"بس میں نے کہہ دیا، پرسوں ارسہ آئے گی ہمیں ساتھ لے جانے کے لیے۔ بچیاں بھی ساتھ ہی چلیں گی اور ایرپورٹ سے سیدھا پھوپھی کے گھر۔ بتا دوان کو؟"

انہوں نے حتمی انداز میں فیصلہ سنا دیا۔

یہ پہلے ہی طے ہو چکا تھا کہ پرسوں پھوپھو اپنی بڑی سی گاڑی میں امی ابو کو لاہور لے جائیں گی۔ اور خود ایرپورٹ لے جا کر جہاز میں سوار کرائیں گی۔ اب یہ بھی طے ہو گیا کہ اس کے بعد ہم دونوں بہنیں بھی ان کے ساتھ ان کے محل نما گھر میں ایک مہینے کے لیے نظر بند ہوں گی۔ تھوڑی سی مزید بحث کے بعد بالآخر جانے سے پہلے امی نے ابو سے یہ بات منوا ہی لی کہ دو ہفتے ماموں کے ہاں رہنے جائیں گے اور اس کے بعد پھر پھوپھو کی طرف واپسی۔

میں نے اس فٹ بال گیم پہ زبردست احتجاج کیا۔

"ابھی چپ کر جاؤ' کسی طرح گزار لو وہاں یہ دو ہفتے۔ ایک بار شہاب بھائی کے ہاں جانا تو واپس ارسہ کی طرف جانے کی ضرورت نہیں۔ تمہارے ابو کو میں دیکھ لوں گی۔"

امی نے اس طرح جارحانہ انداز میں کہا کہ مجھے ہنسی آ گئی۔یعنی اب وہ حج کے دوران بھی "شغل" جاری رکھیں گی۔

اگلے دن امتیاز بھائی کی آمد ہوئی، بمعہ بڑے بڑے نوٹوں والے ہاروں کے۔

"میں نے خاص طور پر سو، سو کے نوٹ لگوا کے بنوائے ہیں، ورنہ دس روپے اور بیس روپے کے نوٹ والے بھی تھے یہ دیکھیں، ہر ہار کے یہاں درمیان میں ایک ایک پانچ سو کا نوٹ بھی لگا ہے۔"وہ نمایاں کر کے دکھانے لگے۔

"بڑی ٹور بن جائے گی آپ لوگوں کی ایئر پورٹ پہ۔سب مڑ مڑ کر دیکھیں گے۔"وہ خوشی خوشی بتاتے اپنی کارگزاری کی داد وصولنا چاہ رہے تھے لیکن یہاں کوئی اس موڈ میں نہیں تھا، میں نے بڑی مشکل سے مسکراہٹ روکی۔

ہنسی تو شاید ودیعہ کو بھی آئی ہو مگر وہ نادیہ کے عین سامنے بیٹھی تھی'اس لیے اس نے مسکرانے کی تو کیا' مسکراہٹ چھپانے یا روکنے تک کی جرأت نہ کی۔اس کارِ عظیم کے نتیجے میں اس صورت پہ اور مظلومیت برسنے لگی تھی۔ابو نے اپنی ناگواری چھپانے کے لیے اخبار منہ کے آگے کر لیا اور امی ناقابل فہم بڑبڑاہٹ کے ذریعے ناپسندیدگی جتانے لگیں۔

"بڑی بھوک لگی ہے۔بھئی کوئی کھانا شانا۔۔۔"ان کی بھوک سدا کی چمکیلی تھی اور سسرال آ کے اور بھی لشکارے مارنے لگتی۔

"آج تو خوب مزے کی چیزیں بنی ہوں گی، بھئی آخر امی ابو حج پہ جا رہے ہیں۔اس خوشی میں تو چکن روسٹ، فش فرائی بھی ہو تو کم ہے۔"انہوں نے اپنی فرمائش بھی جتا دی۔امی نے ابھی ابھی گوشت کا پلاؤ دم دیا تھا، ساتھ میں کباب میں نے بنا دیے تھے۔امتیاز بھائی صرف چاول پہ اکتفا نہیں کرتے تھے،اس لیے امی نے تھوڑا سا مٹر قیمہ بھی بھون رکھا تھا روٹی کے ساتھ پیش کرنے کے لیے۔ابو خاموشی سے گاڑی کی چابی اٹھا کے باہر نکل گئے۔اپنے حج کی خوشی میں چکن روسٹ اور فش فرائی لانے کے لیے۔

"نانا جانی! کہاں جا رہے ہیں آپ؟ میں بھی چلوں گا۔"

نادیہ کا بڑا بیٹا عمران ویسے تو نجانے کہاں دبکا رہتا تھا مگر جیسے ہی کسی کو باہر جاتے دیکھتا'اچھل کے سامنے آ جاتا۔
ابو گھبرا گئے'اس جیسے آفت بچے کے ساتھ باہر نکلنا اور خاص طور پر ڈرائیونگ کرنا خطرے سے خالی نہیں تھا اور پھر اسے جاتا دیکھ کر باقی تینوں بھی ضد پکڑ لیتے۔

"اوئے ادھر آ لفنگے۔۔۔آوارہ۔۔۔میرے پاس بیٹھ یار'امتیاز بھائی نے اپنے لاڈ کا مظاہرہ کیا۔"ہم دونوں گپ شپ لگاتے ہیں۔۔۔نانا جانی کی ٹوٹی پھوٹی کار میں ہم نہیں بیٹھتے جی۔۔۔"

کوئی اور سنتا تو یہی سمجھتا کہ وہ طعنہ دے رہے ہیں یا کمینگی کا مظاہرہ کرتے ہوئے ابو کی پرانی خستہ حال گاڑی کا مذاق اڑا رہے ہیں مگر ہم سب انہیں آٹھ سال سے جانتے تھے۔وہ واقعی ابو کی جان چھڑوانے کی غرض سے ایسا کہہ رہے تھے تاکہ عمران ساتھ جانے کی ضد نہ کرے مگر وہی ان کی کم عقلی بقول نادیہ کے سادگی۔

"نانا جانی ابھی ہم سب کے لیے فالودہ لائیں گے۔ہے نا نانا جی؟"وہ ریں ریں کرتے عمران کو چپ کراتے ہوئے ابو سے پوچھنے لگے۔ابو نے پتہ نہیں کس مشکل سے سر ہلایا'ورنہ دل تو ان کا چاہ رہا ہو گا ان سب کا فالودہ

بنادیں۔

"بھئی بڑا ہی منہ پھاڑ میاں ہے تمہارا۔" دوسرے کمرے میں آکر انہوں نے نادیہ سے کہا۔ "منہ پھٹ" تو خاصا عام لفظ ہے۔ یہ نیا لفظ "منہ پھاڑ" خالصتاً امی کی اصطلاح تھی۔

"کھانے کے علاوہ اسے کچھ سوجھتا ہی نہیں۔ دے فرمائش پہ فرمائش۔۔۔ لگتا ہے اپنے گھر فاقے کرواتی ہو تم۔"

"خدانخواستہ ہمارے گھر کیوں ہونے لگے فاقے؟" نادیہ نے اپنی تیکھی چتون مزید تیکھی کی۔ اس کے حسین چہرے پہ برہمی صاف نظر آرہی تھی۔

"کھاتے پیتے لوگ ہیں 'اس لیے کھانے پینے کی عادت ہے۔ ایک داماد ہے آپ کا۔۔۔ اور وہ بھی ایک آدھ دن کے لیے کبھی آتا ہے۔ اس کی تواضع بھی آپ دل سے نہیں کرتیں۔"

"اس کی تواضع کرتی رہی تو اسی ایک داماد پہ صبر کرنا پڑے گا' باقی دو کو بیاہنے کے خواب دیکھتی رہوں گی۔۔ تم انصاف سے بتاؤ' ابھی خیر سے رات کا کھانا بھی بننا ہے۔ شام کو کئی لوگ ملنے آئیں گے۔ اکثر کھانے پہ رکیں گے۔ ڈیڑھ کلو گوشت ڈال کے پلاؤ صرف تمہارے میاں کے آنے کی وجہ سے بنایا ہے' ورنہ رات کو مرغی کی بریانی بنانے کا سوچا تھا۔ رائتہ کے ساتھ پیش کر کے سارے مہمان نمٹ جاتے۔ اب پلاؤ کے ساتھ کباب' سالن' روٹی'

چرغہ' مچھلی اور فالودہ۔۔۔ رات کو الگ اہتمام۔۔۔ چائے پہ آنے والے مہمانوں کے لیے اک درد سری۔"

"مہمان اللہ کی رحمت ہوتے ہیں مگر آپ انہیں ہمیشہ درد سری کہتی ہیں۔ کبھی میرے سسرال آکر دیکھیں۔۔۔ کیسی مہمان نوازی ہوتی ہے۔"

"رہنے دو، دیکھ رکھی ہے۔ چار طرح کے بسکٹ، تین طرح کے نمکو، سب دس دس روپے والے پیکٹ کھول کر نکالے ہوئے' شیرے میں ڈوبی جلیبیاں، ڈھیر ساری پیاز کاٹ کر بنائے پکوڑے' پانی ڈال کر بازار سے منگائے دہی بڑے کو چار پلیٹ میں تبدیل کر کے سامنے رکھ دیتے ہیں۔ لو جی میز بھر گئی۔ اب کھانے والا چاہے پیٹ بھرے یا نہ بھرے' ان کی بلا سے۔"

"آپ کو تو مجھ سے، میرے شوہر سے اور میری سسرال والوں سے خدا واسطے کا بیر ہے۔ اگر آپ نے کل صبح حج کے لیے روانہ نہ ہونا ہوتا تو پھر بتاتی میں۔ ایک منٹ نہ رکتی۔"

وہ اپنی بڑی بڑی خوبصورت آنکھوں میں آنسو بھر کے باہر نکل گئی۔ میں نے امی کو فہمائشی نظروں سے دیکھا۔ امتیاز بھائی کی حرکتیں واقعی کبھی کبھی ناقابل برداشت ہو جاتی تھیں اور نادیہ کا گھڑی گھڑی روٹھنا بھی مجھے پسند نہ تھا لیکن امی کا اس معاملے میں حد درجہ سخت رویہ بھی کچھ اچھی بات نہیں تھی۔ وہ نادیہ کو طعنے دینے سے نہ چوکتیں اور بات بڑھ جاتی۔

"ایک دن کی بات ہے، صبر کے ساتھ گزار لیا کریں۔ ضرور اسے ناراض کرنا ہوتا ہے۔"

"تم زیادہ سگی مت بنو۔ تمہاری بہن ہے تو میری بھی بیٹی ہے وہ۔ جانتی ہوں، کب کس طرح بات کرنی ہے

اس سے۔"امی ساری عمر کسی درست رائے کو خاطر میں نہ لائی تھیں، میں تو پھر اولاد تھی۔

"میں اس کی سائیڈ نہیں لے رہی، صرف اتنا کہہ رہی ہوں کہ آپ موقع محل تو دیکھ لیں۔ کل آپ کو حج کے لیے روانہ ہونا ہے۔ ابھی مہمان آنا شروع ہو جائیں گے 'گھر کا ماحول تلخ مت ہونے دیں۔"

"مہمانوں کا ہی تو خیال ہے۔ اب اس امتیاز کو دیکھنا' چار لوگ دیکھتا ہے تو چھچھورا ہو جاتا ہے۔ کیا کیا بونگیاں مارے گا۔ رات کو تمہاری پھوپھی بھی آ رہی ہے۔ نہ معلوم ڈرائیور کے ساتھ ہو گی یا بیٹا یا میاں ہو گا ہمراہ۔۔۔ اس نے تو رات رکنا ہے۔ یہ امتیاز ضرور شرمندہ کروائے گا اپنی اونگی بونگی ہانک کے۔ منہ بند کر کے بیٹھا رہے تو بھی غنیمت ہے۔ کم از کم اس کے اندر جہالت اور حماقت کسی پہ ظاہر تو نہیں ہوتی مگر یہ جتنے لوگ جمع دیکھتا ہے، اتنا ہی کھلتا جاتا ہے۔ ارسہ تو ہے ہی ایسی دیکھنا بعد میں کیسے طنز کرے گی اب دبئی سے آکر تو اور نخریلی ہو گئی ہے۔ ہم جیسے کہاں نظروں میں سمائیں گے۔ پتہ نہیں تمہارے باپ نے کیا رٹ لگا رکھی ہے تمہیں وہاں بھیجنے کی۔ وہ تو تمہارے اٹھنے بیٹھنے، کھانے پینے، بولنے چالنے تک میں نقص نکالے گی۔"

وہ گھوم پھر کے اسی موضوع پہ آ گئیں۔

"کیوں، ہم دونوں کیا مریخ سے اتری ہیں یا ہمیں رہنے سہنے کا طریقہ نہیں ہے۔" میں نے تنک کر کہا۔

"پھوپھو بڑی امیر کبیر اور ماڈرن ہوں گی تو اپنے گھر میں ہوں گی۔ ہم بھی کسی سے کم نہیں۔ اپنے گھر کے نواب ہیں ہم۔"

میری فطری خودداری اور اکڑ نے سر نکال کر جواب دیا۔

"ہاں، شاباش۔۔۔ ایسے ہی گردن اکڑا کے رہنا وہاں۔ زیادہ دبنے کی ضرورت نہیں، نہ ہی اس کی سجی سجائی

کوٹھی سے مرعوب ہونے کی۔ اس کے بچے لفٹ نہ کرائیں تو آگے پیچھے نہ پھرنا، تم بھی منہ نہ لگانا۔"

وہ پٹی پڑھاتی گئیں اور میں سر ہلاتی گئی۔

* * *

امی، ابو دونوں ہی رشتوں کے معاملے میں خاصے تنگ دست تھے۔ ہمارے ہوش سنبھالنے تک دادا دادی، نانا نانی سب گزر گئے۔ امی کا لے دے کر ایک بھائی اور ابو کی ایک ہی اکلوتی بہن۔ پھوپھو ابو سے دو برس چھوٹی تھیں مگر ان کی شادی ابو سے چار سال پہلے ہوئی تھی۔ ہم لوگ گجرات میں رہتے تھے اور پھوپھو اپنی فیملی کے ساتھ لاہور میں۔ ان دنوں بھی وہ کافی خوشحال ہوا کرتی تھیں اور ان کی یہ خوشحالی شادی کے بعد زیادہ پھلی پھولی تھی' اس لیے پھوپھا ان کے گرویدہ تھے۔

امی کو یہ بات بھی چبھتی تھی کیونکہ ابو کے مالی حالات ان سے شادی کے بعد اچانک ڈگمگا سے گئے تھے۔ وہ اس بحران کی وجہ سے کافی چڑچڑے اور غصیلے ہو گئے تو سارا عتاب امی پر گرنے لگا۔ وہ تو قسمت سے پھوپھا کو دبئی سیٹل ہونے کا موقع ملا تو جاتے جاتے پھوپھو اپنے حصے کی ساری

زمین اور مکان کا حصہ بھی ابو کو دے کر گئیں۔ ابو آج تک ان کے اس احسان کے بوجھ تلے دبے تھے کیونکہ آج اگر ہمارے حالات پہلے سے بہت بہتر تھے تو صرف اس لیے کہ ابو نے وہ جائیداد بیچ کر نیا کاروبار شروع کیا۔ اللہ نے برکت دی۔۔۔ حالات سدھرتے چلے گئے۔ ان پندرہ سالوں میں جہاں پھوپھو لکھ پتی سے

کروڑ پتی بنی۔۔۔ابو نے بھی گزارے لائق ترقی کر ہی لی۔پرانی سی رنگ اڑی اسکوٹر سے وہ ایک سیکنڈ ہینڈ گاڑی لینے کے قابل ہو گئے۔

دادا جی کا پرانا سا مگر خوب بڑا اور اچھے علاقے میں بنا مکان بیچنے کے بعد صرف دو تین سال ہم کرائے کے مکان میں رہے پھر ابو نے گھر خریدا۔ دس مرلے کا سنگل اسٹوری۔۔۔ایک بیڈ روم، ڈرائنگ ڈائننگ، کچن، اسٹور پہ مشتمل۔۔۔ مختصر سے لان والا نیا بنا گھر۔ جلد ہی اس کا اوپر کا پورشن بھی مکمل کر لیا تھا۔ دو بیڈ رومز اور لاؤنج کا اضافہ کیا گیا۔امی ہم تینوں کے لیے کچھ نہ کچھ پس انداز کرنے کی پوزیشن میں بھی آ گئیں۔

نادیہ سب سے بڑی تھی، اس سے دو سال چھوٹی میں یعنی ہادیہ رحیم۔۔۔اور مجھ سے ساڑھے تین سال چھوٹی ودیعہ رحیم۔

ہم تینوں مزاجاً ہی نہیں، شکلاً بھی ایک دوسرے سے الگ تھیں۔ نادیہ سب سے بڑی ہی نہیں، سب سے حسین بھی تھی۔ اس کی اٹھان بھی بہت اچھی تھی۔ پندرہ سال کی عمر میں ہی اس کے لیے رشتے آنے شروع ہو گئے۔ ایسا تانتا بندھا کہ امی 'ابو دونوں بوکھلا کر رہ گئے ابھی اس نے کالج میں داخلہ لیا ہی تھا کہ امتیاز بھائی کے گھر والوں کو ہاں کر دی گئی۔ امی تو پھر بھی کچھ متذبذب تھیں، البتہ ابو جی جان سے راضی تھے۔ ان ہی کے زور دینے پہ امی بھی اپنی سولہ سترہ سالہ بے حد دلکش و نازک، معصوم سی بیٹی کا ہاتھ ڈھیلے ڈھالے، کسی بھی قسم کی مردانہ وجاہت سے قطعاً عاری معمولی تعلیم یافتہ امتیاز بھائی کے ہاتھ میں دینے پر تیار ہو گئیں۔

امی ابو کے درمیان معمولی باتوں میں اختلاف رہنا تو ایک پرانی بات تھی۔ اس شادی نے ان دونوں کے مابین ایک نیا تنازعہ کھڑا کر دیا۔ امی اس جلد بازی کا سہرا ابو کے سر باندھتی تھیں۔ ابو بھی اب کچھ متاسف تھے مگر

اپنی غلطی ماننے سے انکاری۔ جبکہ میرے خیال میں اب یہ سب فضول تھا بلکہ بقول نادیہ کے "بے کار" جس کی شادی ہوئی تھی، اسے کسی بات کی فکر تھی نہ غم۔ شاید اس کی وجہ یہ تھی کہ شادی کے وقت وہ اتنی کم عمر اور ناتجربہ کار تھی کہ ماحول کے اچھے خاصے فرق کو محسوس نہ کر پائی اور اپنے سسرال کے ماحول میں ہی ڈھل گئی۔ دنوں میں ان کے رنگ ڈھنگ اپنا لیے جو امی کو ایک آنکھ نہیں بھاتے تھے، اسی لیے سب سے بڑی بیٹی ہونے کے باوجود اس کی اور امی کی ٹھنی رہتی۔

مجھے اس کے سسرال والوں میں ایسی کوئی برائی نظر نہیں آتی تھی جن کی بنیاد پہ عموماً ماں باپ بیٹیاں دے کر پچھتایا کرتے ہیں۔ شریف لوگ تھے 'سادہ مزاج۔ (یہ الگ بات کہ ان کی سادگی کبھی کبھار حد سے گزر کر چبھنے لگ جایا کرتی تھی۔ "محبت کرنے والے بھی تھے۔ ماشاءاللہ سے امتیاز بھائی پانچ بھائی اور چھ بہنیں رکھتے تھے۔ نادیہ اپنی تین جٹھانیوں کے ساتھ بخوبی گزارا کر رہی تھی۔ خوب بڑا سا گھر تھا فیصل آباد میں۔۔۔ بالکل حویلی نما۔ بڑے بڑے کمرے ہر بہو کو الاٹ تھے۔ اس کی دو نندیں اور ایک دیور ابھی غیر شادی شدہ بھی تھا۔ اپنی ملیں تھیں ان کی۔ کپڑے کی صنعت میں خاصا نام اور پیسہ کما رہے تھے مگر یہ خوشحالی ان کے رہنے سہنے پہ صرف اس حد تک اثر انداز ہوئی تھی کہ عورتیں ہر وقت سیروں سونا لاد کے رکھتی تھیں۔ تعلیم اور شائستگی کو خاص گھاس نہ ڈالی جاتی تھی۔

امی کو یہی باتیں کھٹکتی تھیں۔ وہ ان لوگوں کو جاہل پینڈو اور گنوار کہتیں۔ داماد انہیں چھچھورا، بونگا اور احمق لگتا۔ حالانکہ بیٹی کو شوہر سے کوئی شکایت نہیں تھی۔ نہ اس کی کم تعلیم سے۔۔۔ نہ احمقانہ باتوں سے۔۔۔ نہ پینڈو لب و لہجے سے۔۔۔ نہ گئی گزری شکل و صورت سے۔ اب تو جیسے جیسے ان کا ماتھا وسیع ہوتا جا رہا تھا۔ توند

بھی ہاتھوں سے نکلتی جا رہی تھی۔ دوسری جانب نادیہ مزید نکھرتی جا رہی تھی۔ خوبصورت تو وہ پہلے سے تھی۔ شادی کے بعد بے فکر زندگی 'خوشحالی 'اچھی خوراک اور خاص طور پر اس کی کسی بات کو دل پہ نہ لگانے والی عادت نے اس کے چہرے کو خاص چمک عطا کر دی تھی۔

وہ پچیس سال کی ہونے والی تھی۔ یہ زیادہ عمر نہیں تھی 'ابھی اس کے بچپن کی کئی سہیلیاں کنواری تھیں مگر شادی شدہ عورت اور چار بچوں کی ماں اگر عمر کے پچیسویں سال میں بھی خوبصورت 'متناسب جسم رکھتی ہو، تروتازہ، شاداب، گلابی چہرہ رکھتی ہو تو سوائے رشک کے اور کیا کیا

جا سکتا ہے۔ وہ اگر اپنی نندوں اور جٹھانیوں کی طرح خوب سارا زیور پہن کر رکھنے کی عادی نہ ہوتی تو لوگ اسے شادی شدہ بھی نہ مانتے۔

میں نادیہ سے صرف دو سال چھوٹی تھی مگر لگتی کہیں زیادہ تھی۔ بلکہ میں تو ودیعہ سے بھی چھوٹی لگتی تھی۔ میری جسامت ہمیشہ سے بے بی سائز رہی ہے۔ قد اتنا کم نہیں تھا کہ خامی کہلاتا۔۔ میرے دھان پان سے وجود اور گول چہرے کے ساتھ یہ قد مناسب لگتا تھا۔ کہتے ہیں 'اٹھارہ سال کے بعد قد نہیں بڑھتا مگر میرے ساتھ الٹا ہوا۔ اٹھارہ سال کی عمر تک میرا قد واقعی اتنا کم تھا کہ امی کو پریشان رہنے کے لیے ایک اور بہانہ میسر آ گیا۔

اٹھارہویں سال میرے قد کو کچھ غیرت آ ہی گئی اور میں نے دو سالوں میں کھینچ کھانچ کے دو تین انچ بڑھا ہی لیا۔ اس کا ایک فائدہ یہ تھا کہ نادیہ کی طرح میرے لیے کم سنی میں ہی رشتے نہیں آئے۔ بعد میں آئے بھی تو امی ابو نے پہلے والی غلطی نہ دہرانے کا فیصلہ کر کے ٹال دیا۔ وہ میری تعلیم مکمل ہونے کا انتظار کر رہے تھے۔

اڑتی اڑتی سنی تھی کہ امی کا دل ماموں کے ہاں ہے۔ یعنی ماموں کی خواہش پہ وہ ان کے اکلوتے بیٹے شہیر کے ساتھ مجھے منسوب کرنے کی خواہش رکھتی ہیں اور یقیناً اس خواہش کے پورا ہونے میں ابو ہی آڑے آ رہے تھے۔ شہیر مجھے بھی پسند تھا۔ اگرچہ یہ وہ والی پسندیدگی نہ تھی جس میں آہیں بھری جاتی ہیں، تارے گنے جاتے ہیں، چھپ چھپ کے دیدار کیا جاتا ہے۔ ہاں بس یہ اطمینان ضرور تھا کہ "اچھا اچھا۔۔۔ شہیر۔۔۔ چلو ٹھیک ہے بھئی 'اگر ابو مان گئے تو کیا برائی ہے۔ "بس۔۔۔ یہ پسندیدگی "فی الحال" اسی حد تک تھی۔ "یعنی زور کس پہ ہوا، فی الحال پہ۔ ماموں کے گھر یوں بھی میرا دل لگتا تھا۔ اگرچہ پچھلے چار پانچ سالوں میں آنا جانا کم ہو گیا تھا۔ شاید اس کی وجہ ہمارا اسکولوں سے نکل کر کالج تک آنا تھا اور ابو امی کی بڑھتی عمر بھی۔

بچپن میں تو یہ ہوتا تھا کہ جیسے ہی گرمیوں کی چھٹیاں ہوئیں 'امی نے بیگ بھرے اور ہم تینوں کو لے کر لاہور چلی آئیں۔ کم از کم مہینہ تو ہم رکا ہی کرتے، واپسی پہ شمائلہ یا سدرہ میں سے کوئی نہ کوئی ساتھ ہوتا۔ وہ ہمارے ہاں اتنا ہی عرصہ رکتیں۔

چھٹیوں کے اختتام پہ ماموں باقی کی فیملی کے ساتھ بیٹی کو لینے آتے۔ دو دن رکتے اور واپسی۔ پھر یہ ہوا کہ دستور زمانہ۔۔۔ وقت اور عمر بڑھنے کے ساتھ ساتھ امی کا میکے جانا اور جا کے رہنے کا شوق خود بخود کم ہوتا چلا گیا۔ میں اور ودیعہ بھی تعلیم کے معاملے میں سنجیدہ ہوتے چلے گئے اور پھر ابو کی صحت اب ایسی نہ تھی کہ ہم انہیں مہینہ مہینہ اکیلے گھر میں چھوڑ دیتے۔ ایسا نہیں تھا کہ آنا جانا بالکل ختم ہو گیا تھا۔ سال میں ایک دو بار ان کا چکر لگ ہی جایا کرتا مگر کبھی دو روز۔۔۔ اور کبھی تین روز تک کا قیام ہوتا۔ اس کے باوجود ماموں اور ان کی ساری فیملی سے مانوس تھی اور خود کو ذہنی طور پہ میں نے وہاں رہنے کے لیے تیار بھی کر رکھا تھا۔

میرا ایم ایس سی کا آخری سال تھا بلکہ آخری مہینے۔ ٹھیک دو ماہ بعد میرے ایگزام ہونے والے تھے اور ابو شاید اسی دن کا انتظار کر رہے تھے۔ کیا پتہ وہ مان ہی جاتے کیونکہ امی سے مخالفت کا شوق اپنی جگہ 'ماموں کو وہ پسند کرتے تھے اور شہیر میں بھی کوئی برائی نہ تھی۔ اس نے ایم بی اے کر رکھا تھا۔ بینک میں ملازم تھا۔ دیکھنے میں ٹھیک ٹھاک تھا۔ خوش مزاج، خوش گفتار، شائستہ اور ذہین۔ ابو اپنے داماد میں یہی کچھ تو دیکھنا پسند کرتے تھے۔

ودیعہ کہنے کو مجھ سے تین سال ساڑھے تین سال چھوٹی تھی مگر دیکھنے میں ایک آدھ برس بڑی محسوس ہوتی تھی۔ جبکہ حقیقتاً وہ اپنی عمر سے کئی برس چھوٹے بچے کی مانند تھی۔ اس میں قوت ارادی 'خود اعتمادی' حوصلہ 'ہمت' سمجھ بوجھ ہر چیز کی اچھی خاصی کمی تھی اور ہاں۔۔۔ شاید خوبصورتی کی بھی۔ "شاید" میں نے اس لیے کہا کہ یہ کمی زیادہ امی کو ہی محسوس ہوتی تھی۔ انہوں نے بچپن سے ہی اس کی کم صورتی کے دکھڑے سب کے سامنے رو رو کے اسے اس حال تک پہنچایا تھا۔ حالانکہ وہ بد صورت ہرگز نہ تھی۔ ہاں ہم دونوں کے مقابلے میں ذرا دبتی تھی۔

نادیہ کی تو خیر کیا بات تھی۔ میرا گندمی رنگ بھی سونے جیسا دمکتا تھا، میری لائٹ براؤن آنکھیں نادیہ کی بڑی بڑی سرمگیں غزالی آنکھوں کے مقابلے میں کچھ نہ تھیں مگر ودیعہ کی چشمے کی اوٹ میں چھپی چھوٹی چھوٹی آنکھوں کے سامنے تو اچھی لگتیں۔ نادیہ کے بال سیدھے 'لمبے اور سیاہ تھے۔ کمر تک آتی یہ کالی گھٹائیں اس کے حسن میں اضافہ کرتیں، میرے براؤن بال اگرچہ اتنے لمبے تو نہ تھے اور نہ ہی میری ہزار کوششوں کے بعد ہونے والے تھے۔

البتہ گھنے نادیہ سے بھی زیادہ تھے۔

اور ودیعہ۔۔۔ ایک تو اس کی رنگت دبتی ہوئی تھی 'نقش بھی واجبی تھے 'اوپر سے عمر کے دسویں سال ہی عینک لگ گئی۔ بال ہلکے بھی تھے اور گھنگریالے بھی۔ اگر بڑھتے بھی تو اوپر ہی اوپر کہیں لہروں میں تبدیل ہوتے رہتے۔ میں نے اس کے بالوں کی لمبائی کبھی کاندھوں سے نیچے آتے نہیں دیکھی۔ امی تیل پلا پلا کے اس کے بالوں کی دو چوہیا سی چوٹیاں کھینچ کے بنایا کرتیں تاکہ اس کے بال سیدھے بھی ہو جائیں اور لمبے بھی۔ اب دو تین سالوں سے۔ یہ دو چوٹیاں ایک چٹیا میں تبدیل ہو چکی تھیں مگر حالات وہی تھے۔ پورے گھر میں اس کی صرف مجھ سے دوستی تھی اور اس میں بھی میری ہی ذاتی کوششوں کا عمل دخل تھا۔ نادیہ سے وہ یوں بھی مرعوب رہتی۔۔۔ امی اس کے سامنے تک آنے سے گھبراتی کہ اس کی صورت دیکھتے ہی ان کے غم تازہ ہو جاتے۔

"آئے ہائے 'میری بچی کا کیا بنے گا۔۔۔ اللہ بیٹی دے تو اچھی شکل والی۔"

"توبہ کرو زاہدہ!" ابو ٹوکتے۔ اگرچہ وہ ہم تینوں بہنوں سے کوئی بہت لاڈ پیار جتانے والے باپ نہیں تھے۔ ان کا خاصا رعب تھا ہم پہ مگر یہ ڈانٹ ڈپٹ شرارتوں 'پڑھائی اور تمیز طریقے تک ہی محدود رہی۔ امی کی طرح ودیعہ کی کم صورتی پہ کبھی بھی انہیں فکر مند نہیں دیکھا گیا۔

"شکل و صورت تو اللہ کی دین ہے اور ودیعہ میں کس چیز کی کمی ہے 'کیوں اللہ کی ناشکری کرتی ہو تم۔ اپنی اولاد تو سب کو پیاری ہوتی ہے۔ کسی کو اپنی اولاد کا عیب نظر نہیں آتا۔ لوگ کالے پیلے 'ٹیڑھے میڑھے بچوں کو بھی

www.Paksociety.com

سینے سے لگا کے پالتے ہیں۔ تم پتہ نہیں کیسے پتھر کلیجے والی ماں ہو۔ اولاد سے محبت بھی صورت دیکھ کے کرتی ہو۔"

"میری ممتا کے بارے میں ایک بھی لفظ مت کہیں آپ۔ آپ کیا جانے ماں کا دل۔ اس سے محبت ہے تو تڑپ رہی ہوں۔ آپ کی طرح بے فکر نہیں ہو سکتی۔ ہاں یہ میری اولاد ہے اور مجھے پیاری ہے مگر میں ساری عمر اسے سینے سے تو لگا کے نہیں رکھ سکتی۔ اسے اگلے گھر بھی بھیجنا ہے۔ اور اگلے یا تو شکل دیکھ کے لڑکیاں بیاہ لے جاتے ہیں یا مال پیسہ دیکھ کے۔ کروڑپتیوں کی اندھیاں 'کانیاں بھی شہزادوں سے بیاہی جاتی ہیں اور ہماری شہزادی جیسی نادیہ کو کیا ملا۔۔۔؟ ہاں بھئی پیسہ سارے عیب ڈھک دیتا ہے۔"

ان کی الگ ہی منطق تھی 'الگ ہی نظریات 'الگ ہی معیار۔۔۔ جن سے وہ ایک انچ برابر ہٹنے کی روادار نہیں تھیں اور ان کی انہی باتوں کی وجہ سے ودیعہ اپنی شخصیت اور اپنا اعتماد کھوتی چلی گئی۔ گھر کے لوگوں سے ہی وہ اتنا کتراتی تھی تو اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ اجنبی لوگوں کے درمیان اس کی سراسیمگی اور حواس باختگی کتنے عروج پہ ہو گی، اسی لیے امی، ابو کے حج پہ جانے کی خبر اس کے لیے پریشانی کا باعث تھی۔ وہ کسی اور جگہ رہنے نہیں جانا چاہتی تھی۔

نہ ماموں کے ہاں۔۔۔ نہ پھوپھو کے گھر۔

مگر ہمیشہ کی طرح اپنی خواہشات، اپنی مرضی اور اپنے احساسات دل میں دبائے وہ فق چہرے کے ساتھ پورے گھر میں بولائی پھر رہی تھی۔

* * * *

پھوپھو ڈرائیور کے ساتھ آئی تھیں۔ ایک سال ہو رہا تھا ان کو مستقلاً پاکستان شفٹ ہوئے اور یہ ان کا دوسرا چکر تھا ہمارے گھر میں۔ حالانکہ گجرات 'لاہور سے کوئی زیادہ دور بھی نہیں تھا۔ امی اسے ان کی اکڑ اور دولت کا غرور گردانتی تھیں جبکہ ابو کے خیال میں ہمارا ان کے ساتھ رویہ ہی اتنا والہانہ اور گرم جوش نہیں تھا کہ وہ بار بار آتیں۔ بھئی اب پندرہ سال بعد نظر آنے والی پھوپھو سے ہم نے تکلف رکھ کے ہی ملنا تھا۔ گھلتے ملتے رہنے سے ہی لگاؤ اور بے تکلفی پیدا ہوتی ہے اور پھر جب ہم لوگ ان کے ہاں گئے تھے، ان کے نئے گھر کی خوشی میں ہونے والی تقریب میں تو ان کا رویہ کون سا قابل تعریف تھا۔ دو دن تک ہم لوگ وہاں رہے اور دو دن تک امی بیچاری کڑھتی ہی رہیں۔

"ہمیں تو منہ تک نہیں لگا رہی۔ ان ہی غیر لوگوں کے آگے پیچھے پھرتی رہی ساری تقریب میں جو اس کے جیسے امیر کبیر ہیں۔"

"کیا تھا جو نادیہ اور اس کے شوہر کو بلا لیتی، یہ ساتھ ہی تو فیصل آباد ہے۔ اس کی شادی ہو گئی تو اس کا مطلب یہ تو نہیں کہ وہ اب اس کے بھائی کی بیٹی نہیں رہی پھر تم دونوں کو بلانے کا بھی کیا مطلب تھا۔ خالی خولی بھائی کو بلا لیتی۔ وہ بھاگا چلا آتا۔"

"جب ارسہ گھر آئی تھی، تب تمہارے ابو کا بس نہ چل رہا تھا کہ تم بہنوں کو اس کے آگے لائن بنا کر کھڑا کر دیں۔ سیوا اور چاکری کے لئے۔ ایک منٹ بھی پیر نہ

ٹکانے دئے تھے ہم ماں بیٹیوں کو، کہ کہیں خاطر میں کوئی کمی نہ رہ جائے اور اب یہاں دیکھ لو، اسکی وہ بیٹی،، وہ الوینہ۔۔۔۔۔۔ صاحبزادی کے مزاج ہی ٹھکانے پر نہیں۔ گھڑی بھر کے لئے سلام کرنے کو آئی اور پھر کل سے دوبارہ شکل نہیں دیکھی۔ ابھی تو اللہ نے صورت نہیں دی اگر تھوڑی صورت دے دیتا تو نخرا آسمان سے بات کر رہا ہوتا۔"

ان کے سب اعتراضات میرے دل کو لگے تھے۔ الوینہ کے معاملے میں میں نے ذرا رعایت سے نظر ڈالی۔ میں اسکا پرابلم سمجھ گئی تھی۔ وہ صرف ہم سے ہی نہیں کترا رہی تھی بلکہ وہ بیچاری کسی کا سامنا بھی کرنے سے اجتناب برتتی تھی۔ ہماری ودیعہ اس سے لاکھ درجے اچھی تھی صرف ذرا رنگ کم ہونے اور نظر کا چشمہ لگ جانے سے ہی اسکی ساری شخصیت ڈانواڈول ہو گئی تھی تو الوینہ بیچاری کا کیا حال ہو گا، وہ نادیہ کی ہم عمر تھی دو تین سال کا فرق ہو گا۔ بچپن میں ایک حادثے کی وجہ سے اسکی بائیں ٹانگ میں فرق ہو گیا۔ چال میں ہلکی سی لنگڑاہٹ ہو گئی تھی۔ یہ ان لوگوں کے دبئی جانے سے دو تین سال پہلے کی بات ہے وہاں جانے کے کچھ عرصے بعد اسے برص کا مرض ہو گیا۔ اگرچہ پوپھا کی دولت اور بہتر سے بہترین علاج نے اس مرض کو روک دیا لیکن جاتے جاتے بھی یہ بیماری اس کے ہاتھوں گردن کے کچھ حصوں اور پپوٹوں، اوپر والے ہونٹوں اور دائیں رخسار پر کان کے نزدیک کچھ سفید نشانات چھوڑ گئی تھی۔ ایسے میں اگر وہ کمرہ بند کر کے بیٹھتی ہے تو کرے بھی کیا بیچاری۔

بھگتنے کے لئے مجھے ایک ہی بیچاری بہت تھی، یعنی ودیعہ۔ کسی اور بیچاری سے ہمدردی جتانے یا دوستی بڑھانے کا مجھے کوئی شوق نہیں تھا۔ اس لئے سارے راستے منہ پھلا کر بیٹھی رہی۔ پھوپھو کے گھر گزارے جانے والے

دو ہفتوں کی متوقع بوریت میرا موڈ آف کر رہی تھی۔

کچھ امی ابو کے جانے کی اداسی بھی تھی۔

کچھ یہ بھی تھا کہ ائرپورٹ پر ماموں جان اور ان کی فیملی سے بھی ملاقات ہوئی۔ کتنا اصرار کیا سب نے ساتھ چلنے کے لئے۔ میں نے کتنی ہی بار سب سے چوری چوری نظروں سے ابو کی جانب دیکھا مگر وہ انجان بنے رہے۔ شہیر بھی آیا ہوا تھا اور پھوپھو۔۔۔ وہ اکیلی ہی تھیں۔۔۔ نہ پھوپھا جان ساتھ تھے۔ اور نہ ہی انکا اکلوتا لخت جگر حسن۔۔۔ عرف سنی۔

"لو بھئی ہادیہ تو ابھی سے بڑی لوگ ہو گئی۔" امتیاز بھائی نے ائرپورٹ سے نکلتے ہوئے اچھا خاصا نعرہ بلند کیا۔

"ابھی سے مغرور لوگوں جیسی گردن اکڑا لی ہے۔ بھئی آخر بڑے لوگوں کے بڑے بنگلے کی مہمان ہونے جا رہی ہے۔ اب ہم جیسوں سے کس لئے کلام کیا جائے گا۔"

میرے آف موڈ کو انہوں نے اپنی سمجھ کے مطابق مفہوم پہنایا۔ تب مجھے امی کا دیا انکو لقب یاد آیا۔

"چھچھورا۔۔۔" مگر زیر لب بڑبڑانے میں بھی ادب مانع تھا۔ ارسہ پھوپھو کو میں نے مسلسل ان کی بے سروپا باتوں پر مسکراتے دیکھا۔ مجھے تو یہ مسکراہٹ طنزیہ محسوس ہوئی البتہ امتیاز بھائی اسے اپنی قدردانی اور عزت سمجھ کر مزید پھیل گئے۔۔۔ ان کی بونگیاں اور بھی رواں ہو گئیں۔ ایرپورٹ پر مجھ سمیت امی، ابو بھی شرمندگی محسوس کرتے رہے۔ نادیہ بھی چپ چپ سی تھی۔

"امتیاز بہت بھلی طبیعت کا بچہ ہے۔"

میں نے گردن موڑ کر دیکھا۔ بے حد سنجیدگی سے انہوں نے یہ فقرہ مجھے ہی مخاطب کر کے کہا تھا۔ میں کسی

قسم کے طنز کا شائبہ ان کے چہرے پر تلاش کرنے میں ناکام ہو کر باہر رواں ٹریفک کو دیکھنے لگی۔ایر پورٹ سے انکا گھر کا فاصلہ اچھا خاصا لمبا تھا۔

"رحیم بھائی نہ جانے کیوں اتنے متفکر لگا کرتے تھے۔اکثر خطوط اور فون پر ذکر کرتے تھے اپنی جلد بازی کا کہ نادیہ کے معاملے میں انہوں نے دانش مندی سے کام نہیں لیا وغیرہ وغیرہ۔میرے گھر کے فنکشن پھر بھی انہوں نے امتیاز اور نادیہ کو انوائٹ کرنے سے منع کر دیا تھا۔حالانکہ مجھے یہ بات بری بھی لگی۔بہر حال انکا حکم تھا،بقول ان کے کہ وہ اچھی گیدر نگز میں آنے کے قابل نہیں اور بلاوجہ مذاق کا نشانہ بنے گا مگر میں تو امتیاز سے مل کر بہت مطمئن ہوں۔"

میں نے سوالیہ نظروں سے انکی جانب دیکھا۔مجھے پیٹ میں کچھ کھد بد ہونے لگی۔یہ راز میں امی کے ساتھ شئیر کرنے کو بے تاب تھی کہ نادیہ کو انوائٹ نہ کرنے کے پیچھے ابو کا ہاتھ تھا۔

"اس سے اچھا داماد رحیم بھائی کو کہاں مل سکتا تھا۔اچھا کاروبار ہے اچھا خاندان ہے۔پیسہ،جائیداد،نام،سب کچھ ہے۔نادیہ سے محبت کرتا ہے ساس سسر کی عزت کرتا ہے شریف انسان ہے۔۔۔۔بھلا کس چیز کی کمی باقی رہ جاتی ہے۔مجھے تو بہت اچھا لگ۔۔۔۔سادہ مزاج اور ہنس مکھ۔"

پھوپھو کا گھر آچکا تھا۔

ویسے اسے گھر کہنا زیادتی تھا۔لفظ "گھر" کے ساتھ ایک خوبصورت ہنستے بستے آشیانے کا تصور ذہن میں آتا ہے بلکہ یہ کئی کنال پر پھیلا بنگلہ۔۔۔۔جس میں درجن بھر سجے سجائے کمرے بے آباد پڑے تھے۔۔۔۔صرف چار مکین۔۔۔اور وہ بھی اتنے روکھے پھیکے بدمزاج۔۔۔کیا خاک رونق ہو گی یہاں۔

میں نے زور سے گاڑی کا دروازہ بند کرتے ہوئے اپنا غصہ ظاہر کرنا چاہا۔

"الوینہ آگئی ہو گی۔۔۔آج اسے بہت ضروری کام سے یونیورسٹی جانا تھا ورنہ وہ ایر پورٹ تک ضرور آتی۔"

ان کی اس بات کو میں ذرا خاطر میں نہ لائی۔یہ وہی الوینہ تھی جو پھوپھو کے ساتھ ہم سے ملنے گجرات نہیں آئی تھی۔یہ وہی الوینہ تھی جو دو دن تک ہمارے سامنے نہیں آئی تھی جب ہم پچھلی بار لاہور آئے تھے۔

"سنی بھی لگتا ہے ابھی تک سو رہا ہے۔"ایک بڑے سے لیونگ روم میں بٹھانے کے بعد انہوں نے ہم سے کہا۔"وہ کل رات کی فلائٹ سے یوکے سے آیا ہے۔ابھی اس کے جاگنے سونے کھانے پینے کے سب اوقات ڈسٹرب ہیں۔"

میں ابھی بھی خاموش رہی۔مجھے بھلا سنی شنی کے اوقات میں کیا دلچسپی ہو سکتی تھی۔

"کیا پریشان ہو ہادیہ؟" بالآخر پھوپھو کو میری جانب متوجہ ہونا ہی پڑا اور یہی میں چاہتی تھی کہ ان پر ظاہر کر دوں کہ یہاں میں اپنی خوشی سے نہیں آئی۔امی کی تاکید بھی یہی تھی کہ وہاں جاتے ہی پھیل مت جانا کہیں تمہاری پھوپھو سمجھیں لڑکیاں بنگلے میں رہنے کو ترس رہی تھیں۔

"رحیم بھائی اور بھابھی بڑے مبارک فرض کی ادائیگی کے لئے گئے ھیں۔قسمت والوں کو یہ سعادت نصیب ہوتی ہے۔بس تم ان کی خیریت کی دعا کرو اداس بالکل نہ ہونا اور نہ ہی پریشان ہونے کی ضرورت ہے۔یہ بھی تمہارا گھر ہے یہاں تمہیں اتنا ہی پیار اور توجہ ملے گی جتنی تمہیں اپنے گھر ملا کرتی تھی۔"

انہوں نے تسلی دینے کی بھرپور کوشش کی جو میرے لئے ناکافی تھا۔اب وہ گردن گھما گھما کر ارد گرد کے جائزے لیتی ودیعہ کو اپنے ساتھ لگا رہی تھیں۔

"اور یہ میرا معصوم بچہ۔۔۔میری ننھی سی چڑیا۔" وہ اسکا ماتھا چوم رہی تھیں اور میں حیرانگی سے لاڈ کا یہ مظاہرہ دیکھ رہی تھی۔

"اس کے آنے کی مجھے بہت خوشی ہوئی ہے۔اسے تو میں اپنے ساتھ لائی ہی اسلیئے ہوں کہ اپنی آنکھوں کو ٹھنڈک اور کلیجے کو سکون پہنچا سکوں۔ بھئی ہادیہ تم برا مت ماننا۔"

مجھے کیا برا ماننا تھا البتہ ہادیہ کی پریشان آنکھیں پھٹنے والی ہو گئی تھیں۔اس نے یہ والہانہ انداز کب دیکھے تھے۔

"دراصل اسے دیکھ دیکھ کر میں اپنی امی جی کو یاد کرتی ہوں۔رحیم بھائی نے تمہیں بتایا تو ہوگا کہ ودیعہ ہو بہو اپنی دادی لگتی ہے۔وہی رنگ وروپ وہی نین نقش وہی قدبت۔۔۔اس عمر میں وہ بالکل ایسی ہی لگتی ہوں گی اسے دیکھتی ہوں تو امی جی کی یاد تازہ ہو جاتی ہے۔"

وہ اپنی نم ہوتی آنکھوں کو ٹشو سے نزاکت سے چھونے لگیں اور میں یوں سر ہلانے لگی جیسے سب سمجھ گئی اور میں واقعی سمجھ گئی تھی کہ ودیعہ سے پیار کرنے کے باوجود امی کو اس کے رنگ وروپ اور نین نقش اور قدبت پر اتنے اعتراضات کیوں تھے۔

"تم لوگوں نے کچھ کھایا پیا تو نہیں ہو گا۔۔۔فریش ہو جاؤ۔۔۔میں ناشتہ لگواتی ہوں۔"

"یہ ناشتے کا کونسا وقت ہے؟" ودیعہ نے میرے کان میں سرگوشی کی۔دن کے سوا بارہ بج رہے تھے۔

"یہاں تو یہی سب برداشت کرنا ہو گا۔ بارہ بجے ناشتہ، شام کے چار بجے لنچ اور رات کا کھانا غالباً ڈھائی بجے ملے گا۔ تمہاری آنکھیں تو رات کے نو بجے بند ہونے لگتی ہیں تمہارا کیا بنے گا اور میں، مجھے صبح آنکھ کھلتے ہی کچھ کھانے کو نہ ملے تو کہیں کے قدم کہیں پڑتے ہیں۔ پتہ نہیں ابو نے کیا سوچ کر ہمیں یہاں لا پھینکا ہے۔ابھی ہم

ماموں کے گھر بیٹھے ہوتے۔ شمائلہ، سدرہ ہمارے گرد جمع ہوئی ہوتیں۔۔۔ ممانی پراٹھے تل رہی ہوتیں۔ ماموں زور زور سے شور مچا کر انہیں ہمارے بارے میں ہدایتیں دے رہے ہوتے کہ ہمارا خیال کیسے رکھنا چاہیئے؟ کیا پکنا ہے؟ اور وغیرہ وغیرہ اور شہیر۔۔۔۔وہ بازار سے حلوہ پوری اور قیمے کے قتلے لا رہا ہوتا۔ مزے مزے کی گپیں لگاتے ہوئے ہم کچن میں پیڑھیوں پر بیٹھے ناشتہ کرتے پھر شمائلہ کے ساتھ چھت پر بیٹھ کر کینو کھاتے اپنے اپنے کالج کے قصے سناتے۔۔۔کتنا مزا آتا۔۔۔یہاں دیکھو پھوپھو غائب ان کی اولاد وغیرہ غیر موجود۔۔۔اتنی بڑی ٹیبل پہ ہم دو بیٹھ کر سوکھے توس چبائیں گے۔"

میں نے ایسا نقشہ کھینچا کہ اسکی آنکھیں بھر آئیں۔اسے شمائلہ سدرہ سے گپ لگانے میں کوئی دلچسپی نہیں تھی کیونکہ باقی سب کی طرح اس کی ان سے بھی کوئی بے تکلفی یا دوستی نہیں تھی۔ آنکھوں میں یہ موٹے موٹے آنسو سوکھے توس کے خیال سے بھر گئے تھے۔

ملازمہ کے بلانے پر ہم اس کے پیچھے پیچھے کچن تک گئے۔ بڑا سا اٹالین طرز میں سجا یہ کچن تو نظروں ہی نظروں میں بھوک اتار دے۔ وائٹ گرے اور سلور کلر کے کمبینیشن سے یہ کچن عقبی لان کے سامنے والی کھڑکی کے سامنے ایک گلاس ٹاپ والی بریک فاسٹ ٹیبل بھی رکھی تھی جس کے اطراف میں چھ اسٹائلش سے اونچے سلور کلر کے اسٹول رکھے تھے اور ٹیبل انواع واقسام کی چیزوں سے بھری تھی۔

آملیٹ فرائی انڈے سنکے ہوئے توس سادہ بریڈ پراٹھے آلو قیمے کا سالن۔۔۔ان کے علاوہ پنیر مکھن شہد جیم اور سینڈوچ سپریڈ کی بوتلیں اور ڈبے سجے تھے۔

"میں اور تمہارے پھوپھا تو صبح ناشتہ کرنے کے عادی ہیں۔وہ چائے کے ساتھ بسکٹ یا کبھی کبھار ابلا ہوا انڈہ

لے لیتے ہیں اور میں بچپن سے ناشتے میں رات کا سالن اور پراٹھا لینے کی عادی ہوں۔"

"بالکل ابو کی طرح۔" میں بے ساختہ کہہ اٹھی۔

"ہاں کھانے پینے کے معاملے میں ہم دونوں بہن بھائیوں کی عادت ایک جیسی ہے۔ تمہارے بارے میں مجھے پتہ نہیں تھا کہ کیا پسند کرتی ہو۔ پوچھنے کا فائدہ کوئی نہ ہوتا کیونکہ جب سے تم لوگ آئی ہو تکلف برت رہی ہو اس لئے میں نے دو تین طرح کا ناشتہ منگوا رکھا ہے۔ ہاں مگر میں بازاری چیزوں کو ٹیبل پر سجانے سے اجتناب کرتی ہوں الوینہ کی فرمائش کے باوجود۔۔۔ اسے الابلا کھانے کا شوق ہے۔۔۔ لو۔۔۔۔ سنی بھی آ گیا۔۔۔
آجکل اسکے ناشتے کا یہی وقت ہے۔"

میں نے پراٹھا اپنی پلیٹ ہیں ڈالتے ہوئے نظر اٹھا کر دیکھا۔ وہ جاگا ہوا تو کہیں سے نہیں لگ رہا تھا۔
بکھرے ہوئے گھنے بال۔ سوجی ہوئی ادھ کھلی آنکھیں مسلسل جمائیاں لیتا بڑا سا منہ ڈھیلی سست چال گھسی ہوئی بدرنگ جینز پہ مسلی ہوئی سفید ٹی شرٹ۔

"سست صورت۔" میں نے اسے لقب بخشا۔ اس نے ہمارا تعارف اسی نیند کے عالم میں سنا اور اسی نیم غنودگی میں جمائیاں روک کر ایک مسکراہٹ ہم پر اچھالنے کی بھرپور کوشش کرتے ہوئے خوش اخلاقی دکھانا چاہی۔

ناشتے کے بعد ابھی چائے چل رہی تھی کہ الوینہ کی بھی آمد ہوئی۔

"آئی ایم سو سوری سویٹ کزنز۔۔۔ میں تمہیں ویلکم کہنے کے لئے گھر پر موجود نہیں تھی۔"

اس کے آنے پر میں نے اٹھنا گوارا نہیں کیا تھا اور وہیں بیٹھے بیٹھے چائے کی چسکیاں لیتے ہوئے اس کے با آواز بلند سلام کا جواب سر ہلا کر دے دیا تھا مگر اگلے ہی لمحے وہ میرے گلے لگی جھول رہی تھی۔

"ممی آپ نے ماموں اور ممانی سے میرا ایکسکیوز کیا؟ مجھے اگر آج یہ نوٹس سبمٹ نہ کروانے ہوتے تو میں کبھی بھی نہ جاتی۔ اینی وے۔۔۔ اب میں بالکل فری ہوں۔ ایکچوئلی اگر تم لوگ نہ آتے تو میرا گجرات آکر تم لوگوں کے ساتھ رہنے کا پروگرام تھا۔ اب کہیں جا کر تو فارغ ہوئی ہوں۔ جب سے آئے ہیں بس مصروفیت ہی مصروفیت۔۔۔ یہ پیپرز۔۔۔ وہ پیپرز۔۔۔ فلاں ٹیسٹ۔۔۔ فلاں ایگزامز۔۔۔ جب تم لوگ فنکشن پر آئے تھے تب بھی میرے بہت امپورٹنٹ ایگزام چل رہے تھے۔ گپ شپ ہی نہ ہو سکی۔ یار دراصل مجھے ایگزامز فوبیا ہے۔ کتنی بھی اچھی یاری ہو ایگزامز کے دوران میں ایزی رہ ہی نہیں سکتی۔"

وہ اپنے کپ میں چائے انڈیلتی تیز تیز کہہ رہی تھی اور میں حیرت سے اس کے ہاتھوں اور زبان کی رفتار ناپ رہی تھی۔ یہ ہماری پہلی باضابطہ ملاقات تھی لیکن اس کے انداز سے ایسا نہیں لگ رہا تھا وہ برسوں کی بے تکلفی لئے ہوئی تھی

حیرانی تو مجھے اس کے ہر انداز پر ہو رہی تھی۔ میں نے اس کے بارے ہیں جو اندازے لگائے تھے وہ سراسر غلط ثابت ہوئے تھے۔ میرا خیال تھا کہ وہ بہت دبکی ہوئی سہمی ہوئی سی لڑکی ہو گی بالکل ودیعہ کی طرح۔ ایک تو بیچاری کی ٹانگ میں نقص دوسرا چہرے پر برص کے داغ۔۔۔ ہو گی کوئی احساس کمتری کی ماری سڑیل سی آدم بیزار شخصیت۔۔۔ کہانیوں میں یہی پڑھتے آئے ہیں۔۔۔۔ فلموں اور ڈراموں میں یہی دیکھتے آئے ہیں کہ ذرا جو کسی لڑکی میں تھوڑی کمی ہو وہ ایسے ہی کونوں کھدروں میں چھپ کر آنسو بہاتی رہتی ہے۔ لوگوں سے کتراتی رہتی ہے۔ خود ہمارے اپنے گھر میں ودیعہ کی مثال سامنے تھی۔ اس میں خدانخواستہ ایسی کوئی کمی یا نقص نہیں تھا جو الوینہ میں تھا۔ بس اس کی بدقسمتی یہ تھی کہ وہ ولید اور رانیہ کے بعد پیدا ہوئی تھی اور ان سے

زیادہ۔۔۔ یا ان کے برابر خوبصورتی لے کر نہیں آئی۔

اور یہاں میرے سارے اندازے غلط ثابت ہو رہے تھے۔ اس نے جدید انداز کا سلا آف وائٹ اور ریڈ سوٹ زیب تن کیا ہوا تھا اور میچنگ کا پورا پورا دھیان رکھتے ہوئے ٹاپس چینز رنگز بریسلٹ اور ریسٹ واچ بھی پہن رکھے تھے۔ ہاٹ ریڈ لپ اسٹک کے علاوہ چہرے پر میک اپ کے کوئی آثار نہیں تھے مگر اس شوخ چمکتے رنگ نے ساری کمی پوری کر رکھی تھی۔ اسٹر کنگ ہوئے بال سامنے سے کلپ لگا کر قید تھے اور پیچھے شانوں پر پھیلے خوشبوئیں بکھیر رہے تھے۔ برص کے سفید نشانات سے بھرے ہاتھوں پر سرخ کیوٹکس سجی تھی۔۔۔ ناخن دلکش تراش والے تھے۔۔۔ میں نے دو تین بار بظاہر سرسری سی نگاہ ڈال کر سارا جائزہ لے لیا تھا مگر ودیعہ ہونق بنی دیدے پھاڑ پھاڑ کر اسے دیکھتی جا رہی تھی۔

"تمہیں کیا میں بہت اچھی لگی ہوں جو نظروں ہی نظروں میں مجھے دل میں اتار رہی ہو۔"

"اللہ رے خوش فہمی۔" الوینہ نے اس کی محویت دیکھتے ہوئے مسکراتے ہوئے کہا تو میں ہڑبڑا کر رہ گئی۔ ودیعہ کی بوکھلاہٹ قابل دید تھی۔ اس کا بس نہ چل رہا تھا کہ ٹیب کے نیچے منہ چھپا لے۔

"ویسے آپس کی بات ہے مجھے بھی تم بہت اچھی لگی ہو۔" اس نے اسکی جانب جھکتے ہوئے ہاتھ دباتے ہوئے کہا۔

"بہت انوسینٹ بہت کیوٹ اور بہت جانو۔" ودیعہ کے لئے اتنی ڈوز بہت تھی۔ اس کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ میں نے ناشتے میں بری طرح مگن سنی کو پل بھر کے لئے نظریں اٹھا کے اس کی جانب دیکھتے ہوئے پایا۔

یہاں دن اتنے برے نہیں گزر رہے تھے جتنا سوچ کر میں ڈر رہی تھی۔

پھوپھو کا حلیہ ضرور بیگمات والا تھا۔۔۔ ڈائی کئے بالوں کا جوڑا بنائے رکھنا۔۔۔۔ نفیس ساڑھیاں یا ہلکے رنگوں کی شلوار قمیص پہنے رکھنا۔۔۔ کانوں میں ہیرے کے ٹاپس۔۔۔۔ گلے میں دبئی کے نامور جیولرز کی ڈائزائن کردہ موٹی موٹی زنجیریں۔۔۔ مگر ان کے گھر کا ماحول خاصا امیوں والا تھا۔ اپنے اسی نک سک سے حلئے کے ساتھ وہ کچن میں بچوں کی خواہشات پوری کرتی پائی جاتی تھیں۔ غضب کا ذائقہ تھا ان کے ہاتھ میں۔ ہر قسم کا کھانا بنانا جانتی تھیں۔ بیکنگ اس مہارت سے کرتیں کہ کیا کہنے، گھر کے باقی کاموں کے لئے ایک کل وقتی اور دو جز وقتی ملازمائیں بھی تھیں لیکن چونکہ وہ اپنا ہر کام اپنی نگرانی میں کروانا پسند کرتی تھیں اسلئے گھر کا نظام ابتری کا شکار نہیں تھا جیسا کہ اکثر نوکروں کے رحم و کرم پر چلنے والے گھروں کا حال ہوا کرتا ہے۔

گھر اور کچن انکا اوڑھنا بچھونا نہیں تھا۔ بے حد سوشل بھی تھیں۔ دن میں ایک دو بار تو ضرور کہیں نہ کہیں دورے پر نکلتیں۔

الوینہ شائد سچ کہہ رہی تھی۔ اسے واقعی جی بھر کر فراغت میسر آئی تھی اور وہ سارا وقت ہمارے سروں پر سوار ہو کر گزارنا چاہتی تھی۔ میری عادت ہے کہ پہلی بار جس کے بارے میں رائے قائم کر لوں اس سے بڑی مشکل سے دستبردار ہوتی ہوں۔ الوینہ کے بارے میں اگرچہ میرے سارے اندازے اور غلط فہمیاں غلط ثابت ہوئی تھیں۔ اس کے باوجود اسکی دوستی ودیعہ کے ساتھ چند ہی دنوں میں حیران کن حد تک بڑھ گئی تھی۔

یہ حیران کن امر اسلئے تھا کہ ایک تو دونوں کی عمروں میں چھ سال کا فرق تھا۔ مزاجاً بھی وہ دونوں بالکل مختلف

تھیں اور سب سے اہم بات یہ کہ ودیعہ نے سوائے میرے کب کسی اور سے دوستی کی تھی۔

حسن یعنی سن زیادہ تر سویا ہوا پایا جاتا یا جاگا ہو تو پینٹنگز پر

چلو آزماتے ہیں

غلبہ پانے کی جدوجہد میں مصروف۔

ان چھ دنوں میں ایک آدھ بار ہی اسے پورے ہوش وحواس میں دیکھا۔ یہ قیمتی وقت وہ اپنی ہیوی بائیکس کے لاڈ اور ناز نخرے اٹھانے میں گزارتا۔

"ہادیہ۔۔۔ودیعہ۔۔۔! مجھے پارلر جانا ہے فیشل اور مینی کیور، پیڈی کیور کے لیے، تم دونوں چلو گی؟" ناشتے کے فوراً بعد الوینہ نے اعلان کیا۔

"سوری مجھے پارلر وغیرہ جانا بہت بور لگتا ہے۔" میں نے صاف انکار کر دیا اور اسی پہ اکتفا نہ کیا بلکہ کمینگی کا مظاہرہ کرتے ہوئے مزید کا اضافہ کیا۔

"نہ ہی میں اسے بہت ضروری خیال کرتی ہوں، اتنی محتاج نہیں ہوں میں بیوٹی پارلر کی۔" میں نے چبا چبا کے کہتے ہوئے اس کے چہرے، انگلیوں اور گردن کی جلد کو دیکھا جو کئی جگہ سے اپنا رنگ بدل چکی تھی۔ پتہ نہیں وہ ان پہ کون کون سے ٹوٹکے آزما کے کون سا حسن نکھارنا چاہتی تھی۔

"ہاں یہ بات تو ہے۔" وہ برا منائے بغیر فراخ دلی سے کہنے لگی۔ "تمہاری اسکن کتنی نرم وملائم ہے۔ بالکل کسی خرگوش کے ننھے سے بچے کی طرح۔" پتہ نہیں کیسی عجیب مثالیں دینے کی عادت تھی اسے۔

"ہاں بھئی! تمہیں کیا ضرورت ہے ایسے مصنوعی سہاروں کی۔ نہیں محتاج زیور کا جسے خوبی خدا نے دی۔۔۔

یہی کہا کرتے ہیں نا۔"

وہ اتنے آرام سے میرا طنزیہ لہجہ پی کر اب میری تعریف کر رہی تھی کہ مجھے اپنی تنگ دلی پہ افسوس ہوا۔ اب میں اپنے کہے فقروں پہ شرمندگی محسوس کرنے لگی۔

"نہیں، میرا مطلب تھا کہ میں۔۔۔۔ میں گھر پہ کر لیا کرتی ہوں سب کچھ۔ آج کل ان سب کی ضرورت کسے نہیں ہوتی۔ بسوں، ویگنوں کے دھکے کھاتے ہوئے یونیورسٹی جانا، گرد وغبار، دھواں، یہ سب اسکن کو برباد کر کے رکھ دیتے ہیں مگر مجھے فیشل کرنا اچھی طرح آتا ہے۔ میں ہفتے دس دن بعد وقت نکال کر خود کر لیتی ہوں اور میرا خیال ہے، فی الحال مجھے اس کی ضرورت نہیں۔ تم جاؤ۔"

اس بار میں نے سچ اگلا۔ واقعی میری دوپہریں گاجر کا جوس نکالتے، انڈے اور شہد کا ماسک بناتے اور ابٹن رگڑتے گزرتی تھیں۔

"اٹھو، تم تو ساتھ چلو۔ تم نے بیڑہ غرق کر کے رکھا ہوا ہے اپنی اسکن کا اور یہ بال۔۔۔اف۔۔۔ کبھی تمہیں خیال نہیں آیا انہیں سدھارنے کا۔" وہ اس کی چوہیا سی چٹیا اٹھا کے ڈپٹ رہی تھی اور ودیعہ۔۔۔ کوئی اور ایسا کہتا تو اس کے آنسو ٹپ ٹپ گرنے لگ جاتے۔ وہ بالوں کے نہ بڑھنے پھولنے کے مسئلے کو بھی زندگی موت کا غم بنا کے سینے سے لگانے والی مخلوق تھی مگر الوینہ کے کہنے پہ وہ صرف شرمندہ ہو رہی تھی جیسے یہ بھی اس کا قصور ہو۔

ان دونوں کے نکلنے کے بعد میں ٹہلتی ہوئی کچن کی طرف آئی۔ پھوپھو میکرونیز، ابلی ہوئی چکن، مختلف قسم کی باریک کٹی سبزیاں اور کئی ایسی رنگ برنگ کی شیشے کی بوتلیں سامنے لیے ایپرن باندھنے کی تیاری کر رہی

تھیں جن میں کچھ اجنبی ذائقوں والے مسالہ جات تھے۔

"ارے تم نہیں گئیں الوینہ کے ساتھ؟"

"میرا دل نہیں چاہ رہا تھا۔" میں اپنے لیے چائے کا پانی رکھنے لگی۔

"آپ پئیں گی پھوپھو؟"

"نہیں بھئی، ناشتے میں لیا ایک کپ ہی کافی ہے۔ ہاں اگر زحمت نہ ہو تو سنی کے لیے بھی بنا لینا۔ وہ باہر لان میں ہوگا۔"

میں نے خاموشی سے پانی بڑھا دیا۔

"آج میں لنچ میں اٹالین فوڈ بنا رہی ہوں۔ آؤ، تمہیں بھی سکھاتی ہوں۔"

مجھے اٹالین فوڈ نہ تو کھانے کا تجربہ تھا، نہ ہی یہ امید تھی کہ میں اسے پسند بھی کروں گی، البتہ نت نئے کھانے بنانے کا شوق ضرور تھا۔ ابھی بھی پھوپھو کی آفر پہ میں مچل گئی مگر امی کی تاکید یاد آ گئی۔

"وہاں جا کے زیادہ کچن میں مت گھسی رہنا، کوئی ضرورت نہیں زیادہ ہاتھ پیر ہلانے کی۔ بڑی امیر کبیر بیگم ہے تمہاری پھوپھی۔۔۔۔ ملازم، چوکیدار، خانساماں سب ہیں۔ تم ہر گز کوئی سلیقہ مت دکھانا۔ ارے لوگ تو تیار بیٹھے ہوتے ہیں کہ کوئی ایسی احمق ملے اور وہ اپنے کام اس کے سر پہ ڈالیں۔ تم کوئی خود رہنے جا رہی ہو، اصرار کے ساتھ بلوایا گیا ہے۔ مہمان بن کے جا رہی ہو۔ بس مہمان بن کے رہنا۔"

"کیا کروں گی سیکھ کے۔ گھر میں کوئی چائنیز تک کھانا پسند نہیں کرتا، اٹالین کون کھائے گا۔" میں نے عدم دلچسپی دکھائی اور دو کپ چائے ٹرے میں رکھ کے لان میں نکل آئی۔

موسم خاصا خوشگوار ہو رہا تھا۔ میرا دل چاہ رہا تھا باہر بیٹھ کے چائے پینے کو۔ حالانکہ امی نے اس بات کی بھی تاکید کی تھی کہ جہاں سنی پایا جائے، وہاں میں کنی کترا کے گزر جاؤں۔

"یہ باہر سے آئے لونڈے۔۔۔۔۔ امیر باپ کی اولاد۔۔۔۔ توبہ توبہ، ان کی آنکھ میں نہ شرم ہوتی ہے، نہ رشتوں کا لحاظ۔ ماموں، چچا کی بیٹی کو بہن سمجھنے کی غلطی یہ نہیں کرتے۔ وہ فرنگیوں میں پڑھنے والا آدھا فرنگی ضرور تم سے بے تکلف ہونے کی کوشش کرے گا۔۔۔۔ باہر لے جانے کی دعوتیں دے گا۔ مروّت سے کام لینے کی ضرورت نہیں، منہ پہ تھوک دینا اس کے۔ ارسہ کو بھی پتہ چلے میں نے بچیوں کی کیسی تربیت کی ہے۔"

لیکن سنی کے منہ پہ تھوکنے کی نوبت نہ تو ان چھ دنوں میں آئی تھی، نہ ہی اگلے چھ سالوں میں اس کا امکان تھا۔ اسے اپنی ہیوی بائیک کے مقابلے میں شاید کچھ جچتا ہی نہ تھا۔

میں نے چائے کا کپ اس کے آگے رکھا، تب بھی اس نے نظر اٹھا کے یہ دیکھنے کی زحمت گوارا نہ کی کہ لانے والا کون ہے؟ وہ پوری طرح سے اس واہیات وہیلز والی دیوہیکل بائیک کو چمکانے میں مگن تھا۔ اس کے بے حد سرخ و سفید چہرے پہ بچوں کی سی محویت تھی۔ ماتھے پہ گرے بال ہلکی ہلکی دھوپ میں چمک رہے تھے۔ میں نے اس کا دھیان بٹانا چاہا۔

"چائے کے ساتھ کچھ لیں گے آپ؟"

مجھے امید تھی کہ اب تو وہ نظر اٹھا کے مخاطب کرنے والی کو ضرور دیکھے گا مگر اس نے نفی میں سر ہلایا۔ وہی بائیک پہ جھکا ہوا سر۔ میں کلس کے رہ گئی۔ ایسا نہیں تھا کہ اس کی نظر کے لیے میں تڑپ رہی تھی۔ اس میں،

میں نے ایسی کسی قسم کی کشش محسوس نہیں کی تھی۔ حالانکہ اچھا خاصا وجیہہ اور خوبرو تھا مگر تھا تو مجھ سے صرف سات ماہ بڑا اور میں نے اپنے آئیڈیل کے لیے عمر کا فرق کم از کم سات سال سوچ رکھا تھا۔

اور پھر اس کا حساب ودیعہ کے جیسا تھا جیسے وہ مجھ سے بڑی نظر آنے کے باوجود ذہنی لحاظ سے دس سال کم تھی، اسی طرح مجھ سے صرف سات ماہ بڑا احسن عرف سنی ڈیل ڈول اور قامت کے لحاظ سے مجھ سے کہیں بڑا لگتا تھا۔ میرا وجود تو اس کے سامنے بالکل گڑیا کا سا تھا۔ کوئی بھی دیکھنے والا نہ مانتا کہ ہم تقریباً ہم عمر ہیں۔ میں خود بھی اسے اپنا ہم عمر تسلیم کرنے سے انکاری تھی۔ میری ذہنی سطح اس سے کئی درجہ بلند تھی۔ وہ تو جیسے لڑکپن کی حدود سے کبھی نہ نکلنے کی قسم کھا بیٹھا تھا۔ وہی کھلنڈرا مزاج۔۔۔ سستی۔۔۔ غیر ذمہ داری۔۔۔۔ لاابالی پن۔۔۔۔۔

"اپنی بائیک سے بہت محبت ہے آپ کو؟"

"Oh.... It's my passion"

وہ اچھل پڑا جیسے اسی سوال کا منتظر ہو۔

"مجھے دنیا کی ہر خوبصورت بائیک سے محبت ہے اور جو بائیک میری ہے، اس سے تو میں عشق کرتا ہوں۔ یو نو۔۔۔ اپنی بائیک کے ہوتے ہوئے مجھے کبھی کسی گرل فرینڈ کی ضرورت نہیں پڑی۔"

وہ اپنی مخصوص لاپرواہ سی بے تکلفی کے ساتھ کہہ رہا تھا۔

"جب میں کوئی نئی بائیک خریدنے جاتا ہوں تو ایسا لگتا ہے کسی Unknown کے ساتھ بلائنڈ ڈیٹ پہ جا رہا ہوں۔ بائیک چلانا میرے لیے ایسا ہی ہے جیسے کسی خوبصورت لڑکی کے ساتھ ڈانس کرنا، اسی لیے میں لاہور

کی پر ہجوم سڑکوں پہ بائیک چلانا پسند نہیں کرتا۔ بھئی کوئی ایسی رش والی جگہوں پہ بھی ڈیٹ مارتا ہے؟ کچھ تو پرائیویسی ہونی چاہیے، اسی لیے میں یہیں کالونی کی خالی اسٹریٹس میں اپنی beloved کے ساتھ گھومتا رہتا ہوں یا پھر آدھی رات کے بعد نکلتا ہوں۔ واہ۔۔۔ تنہائی۔۔۔ رات کا پچھلا پہر۔۔۔ سنسان سڑک۔۔۔ پورا چاند۔۔۔ میں اور وہ اکیلے۔۔۔ سچ آ رومانٹک فیلنگ۔۔۔ از نٹ اِٹ۔"

وہ شروع ہی ہو گیا۔ میں منہ پھاڑے اسے دیکھتی رہی۔ وہ چپ ہوا تو میں گھبرا کے اِدھر اُدھر دیکھنے لگی۔ اگر جو امی سن لیتیں کہ وہ اتنے پورے قد کا تومند مرد میرے سامنے بیٹھا اس قسم کی گفتگو کر رہا ہے تو انہوں نے تو اتار لینی تھی چپل۔ دو اسے لگاتیں، اس بے مہار کھلی ڈلی گفتگو کے کرنے پہ اور چار مجھے لگاتیں بے شرمی سے یہ گفتگو سننے پہ۔

"آؤ، میں تمہیں اپنی بائیکس کا کلیکشن دکھاتا ہوں۔" اس نے چائے کا کپ رکھا اور اچانک میرا ہاتھ پکڑ کے کھڑا ہو گیا۔ میں اس کی اس حرکت پہ ہکا بکا رہ گئی۔ تلملا کے میں نے کوئی بہت ہی سخت بات کہنا چاہی مگر اس کے چہرے کے تاثرات دیکھ کے رُک گئی۔ وہاں ایک سادہ

سا بچپنا تھا۔۔۔ ایک معصومیت بھرا باد با جوش تھا۔۔۔۔ اس کے لمس میں بھی ایسی کوئی بات نہ تھی کہ میں بھڑک جاتی۔ میں نے آہستگی سے اپنا ہاتھ اس کی گرفت سے نکالا اور اس کے پیچھے چل پڑی۔

بنگلے کے عقبی لان کے ایک بڑے حصّے میں وہ گیراج تھا۔ سرخ کھپریل والا۔۔۔ سیاہ شیشوں والی کھڑکیوں والا جس کی چھت پہ لگی بڑی بڑی سرچ لائٹس روشن ہوتے ہی مجھے اس پہ قیمتی موٹر بائیکس کے کسی شوروم کا شائبہ ہوا۔

"یہ دیکھو میری موٹر بائیک۔۔۔ یاماہا 350۔۔۔RD۔۔۔ مائی فرسٹ لو۔" وہ اس کی سیاہ ٹنکی کو فرطِ محبت سے چومتا سخت گاؤدی لگ رہا تھا۔

"تب میں صرف اٹھارہ سال کا تھا اور پاپا سے چوری چھپے اس پہ ریس کھیلنے بھی جایا کرتا تھا اور یہ دیکھو، میرے کالج ڈیز کی یادگار، اس سے بھی اسمارٹ۔ یہ "بلٹ میکز مو" ہے۔ بہت پاور فل چیز ہے۔ بہت ساتھ دیا ہے اس نے اور یہ میری پہلی سپر بائیک۔۔۔۔ یہ کاواساکی ننجا ZX- V2 ہے۔ She is queen اور ایک نظر ڈالو۔ شی از مائی رئیل ہیروئن۔۔۔ اسے "ہایابوسا" کہتے ہیں اور وہ جو باہر کھڑی تھی۔۔۔ وہ "R- 1 2006" ہے۔ اس وقت مارکیٹس میں موجود ساری بائیکس میں سب سے جدید ماڈل ہے۔"

اس نے اتنی طویل بکواس کی کہ میرے کانوں میں سائیں سائیں کی جگہ موٹر سائیکلوں کی پھٹ پھٹ گونجنے لگی۔

"Let's go for a ride" وہ اچھل کے اپنی "ہاہاموسا" یا "مایاہوکا" جو بھی فضول سے نام کی چیز تھی، اس پہ بیٹھا اور مجھے آفر کرنے لگا۔

"وہ ضرور تم سے بے تکلف ہونے کی کوشش کرے گا، باہر لے جانے کی دعوتیں دے گا، مروّت سے کام لینے کی ضرورت نہیں، منہ پہ تھوک دینا اس کے۔"

امی کی نصیحت میرے کانوں میں گونجی۔ میں نے گھبرا کے اپنے اطراف میں دیکھا۔ لوہے کی ان بڑی بڑی جناتی ہستیوں کے علاوہ ہمارے درمیان اور کوئی نہ تھا۔ مجھے اپنی بے وقوفی پہ تاؤ آگیا کہ کس طرح میں منہ اٹھا کے اس کے ساتھ گھر کے پچھلے کونے میں بنی اس سنسان اور ویران جگہ پہ آگئی۔

"چلو پھر بھاگو یہاں سے کیونکہ میرا اتو رائڈ کا موڈ ہو رہا ہے۔ مجھے اپنا گیراج لاک کرنا ہے۔"

اس سے پہلے کہ میں جانے کے لیے مڑتی اس نے خود مجھے وہاں سے جانے بلکہ "بھاگنے" کا آرڈر دے دیا۔

پیر پٹختی میں اندر آئی۔ سارا گھر بھائیں بھائیں کر رہا تھا۔ اب تو کچن سے ہلکی سی کھٹر پٹر کی آوازیں بھی نہیں آرہی تھیں۔ پھوپھو کو ملازموں کا ہمہ وقت سر پر سوار ہونا پسند نہیں تھا۔ صفائی، کپڑوں اور برتنوں کی دھلائی کے لیے الگ الگ ماسیاں آتی تھیں مگر ان کے آنے کے اوقات مقرر تھے۔ دوپہر سے پہلے پہلے پھوپھو سب کام اپنی نگرانی میں کروا کے انہیں فارغ کرتیں۔ ایک اماں جی سارا دن یہیں رہتیں، اس وقت وہ بھی نظر نہیں آرہی تھیں۔ جب ہم پہلے دو دن کے لیے رہنے آتے تھے، تب مہمانوں کی موجودگی اور کام کے زیادہ ہونے کی وجہ سے شاید پھوپھو نے گھر میں ملازمین بھر چھوڑے تھے اور امی کو اسی بات سے رشک و حسد محسوس ہوا تھا۔ کرنے کو اور کچھ نہ تھا تو میں فون اسٹینڈ کی جانب آئی اور ماموں کے گھر کا نمبر گھما ڈالا۔

"ہائے ہادیہ! تم۔۔۔۔" شمائلہ نے خوشی سے نعرہ بلند کیا۔ یقیناً سارا گھر اس کی آواز سن کے اکٹھا ہو گیا ہو گا مجھ سے بات کرنے۔

"تم تو وہاں جا کے ہمیں بھول ہی گئیں۔ لگتا ہی نہیں کہ ہمارے شہر میں رہ رہی ہو۔ اتنی بے مروّتی۔"

اس نے وہی گلے شکوے شروع کر دیے جن کی میں توقع کر رہی تھی۔ میں نے بھی بہانے سوچ رکھے تھے، ایک ایک کر کے سنا ڈالے۔

"بس بس رہنے دو، سب پتہ ہے۔ وہاں جا کے ہماری یاد کیوں آنے لگی تمہیں۔ اتنا بڑا گھر۔۔۔ نوکر چاکر۔۔۔۔ گاڑیاں۔۔۔ خوب عیش اور سیر و تفریح ہو رہی ہو گی۔ وہ تمہارا کزن بھی تو آگیا ہے نا

پاکستان۔ کیسا ہے وہ؟"

"ہاں۔ بس ٹھیک ہے۔"

"بس ٹھیک۔۔۔؟ بھئی لندن سے آیا ہے۔" وہ ایسے کہنے لگی جیسے لندن سے آنے والے "بس ٹھیک" کے علاوہ اور سب کچھ ہو سکتے ہیں۔ "بس ٹھیک" ہی نہیں ہو سکتے۔

"تو لندن سے آکر اس کے سینگ تو نہیں نکل آئے۔"

"دیکھنے میں کیسا ہے؟ تمہاری پھوپھی تو گزارا ہی ہیں۔"

"وہ پھوپھا پہ ہے، خاصا ہینڈسم ہے۔"

"سچ؟ پھر تو تمہارے ڈبل عیش۔" اس معاملے میں اس کی ذہنیت ہمیشہ سے ایسی تھی مگر مجھے جانتے بوجھتے ہوئے بھی غصّہ آگیا۔

"بکواس مت کرو، میں کیا یہاں عیش کرنے آئی ہوں۔ سخت بور ہو رہی ہوں۔ میری تو مرضی ہی نہیں تھی، نہ امی رضامند تھیں۔ یہ تو ابو نے زبردستی۔۔۔ ماموں کہاں ہیں؟ میری بات کرواؤ۔ اگر وہ لینے آجائیں تو شاید پھوپھو انکار نہ کریں۔"

"ابو کی طبیعت ٹھیک نہیں۔ دو دن سے اسٹور پہ بھی نہیں گئے۔ آرام کر رہے تھے، شاید سو گئے ہوں۔"

"اچھا۔۔۔ اور۔۔۔ اور شہیر۔۔۔؟" میں نے جھجکتے ہوئے اس کا نام لیا۔ اگرچہ ہمارے رشتے کی بات ابھی باضابطہ طے نہیں ہوئی تھی مگر جب سے اس کا نام اپنے نام کے ساتھ سنا تھا، یہ نام لینے میں، میں جھجکنے لگی تھی۔

"اگر وہ ماموں سے پوچھ کر آجائیں تو؟"

"اچھا ٹھیک ہے، میں کہہ دوں گی۔ ویسے انہیں فرصت تو ہوتی نہیں۔ ابھی امی بیچاری بھی سدرہ کے ساتھ رکشے میں ڈاکٹر کے پاس گئی ہیں۔"

"ارے ممانی بھی بیمار ہیں؟"

"امی کی طبیعت ٹھیک کب ہوتی ہے؟ کبھی کچھ، کبھی کچھ۔"

میں حیران تھی کہ اب تک ماموں یا سدرہ میں سے کسی نے مجھ سے بات کرنے کے لیے شمائلہ سے ریسیور کیوں نہیں چھینا کیونکہ ہمیشہ ایسا ہی ہوتا تھا۔ یہ حیرانی، پریشانی میں بدلنے ہی والی تھی کہ یہ سن کر دل کو تسلی ہوئی کہ گھر میں سوائے شمائلہ کے اور کوئی تھا ہی نہیں۔

"تم سناؤ، کیا ہوتا ہے سارا دن، کہاں گھومیں پھریں؟ وہ تمہاری لنگڑی کزن، اس نے منہ لگایا یا نہیں؟"

الوینہ کے بارے میں یہ لفظ مجھے اچھا تو نہیں لگا مگر جانتی تھی شمائلہ کی زبان ایسی ہی بے باک اور بے دھڑک ہے۔

"ہاں، وہ تو بہت نائس ہے۔ ودیعہ کو اچھی کمپنی دیتی ہے۔ ابھی بھی اسے لے کر باہر نکلی ہے۔ میرا تو تم جانتی ہو، ہر کسی سے میں دوستی کر نہیں پاتی۔ چاہے کوئی کتنا بھی اچھا ہو اور ویسے بھی چونکہ میری مرضی نہیں تھی یہاں آنے میں، اس لیے مجھے کچھ بھی اچھا نہیں لگ رہا۔"

میں بار بار اسے جتا رہی تھی تاکہ وہ بعد میں ماموں کو اور شہیر کو بتائے۔۔۔ انہیں پتہ چلے کہ میں اس گھر میں آنے کے لیے تڑپ رہی تھی۔ دو ہفتے پورے کرنے کی شرط پہ عمل کرنا مجھے دشوار لگ رہا تھا۔

"یہ بڑی بری عادت ہے تمہاری۔ بھئی دل لگانے کی کوشش کرو گی تو دل لگے گا۔ وہاں کا ماحول تو بڑا ایڈوانس ہو گا۔ خوب پارٹیاں شارٹیاں ہوتی ہوں گی۔ ڈانس وغیرہ۔۔۔ بھئی آخر دبئی پلٹ لوگ ہیں۔ کاش ہماری بھی کوئی ایسی پھوپھی ہوتی، جہاں جاکے رہنے میں مزا آتا۔ الگ کمرہ ملتا۔۔۔ ٹی وی، ڈی وی ڈی پلئیر کے ساتھ، کمپیوٹر، اے سی۔۔۔ نوکر چاکر۔۔۔۔ لمبی سی گاڑی میں ہینڈسم سے کزن کے ساتھ بیٹھ کے آؤٹنگ کی جاتی۔ کسی قسم کی پابندی نہ ہوتی۔"

اس کی بات کی گہرائی میں اُتر کے مجھے سخت صدمہ ہوا۔ میری امی ہی تو اس کی واحد پھوپھی تھیں اور اسے خواہش تھی کسی امیر کبیر پھوپھی کے بڑے سے بنگلے میں جاکے رہنے کی۔

"اوہ، تو اسی لیے تم اتنے عرصے سے ہمارے گھر رہنے نہیں آئیں؟"

"ارے نہیں، غلط مطلب مت نکالو۔ اس طرح تو میں بھی یہ کہہ سکتی ہوں کہ تم ہمارے گھر اس لیے نہیں رُکیں کیونکہ۔۔۔۔۔ مگر میں ایسا نہیں کہوں گی کیونکہ میں جانتی ہوں تمہیں۔۔۔"

اس کی صفائی پہ مجھے یقین آگیا۔ کچھ دیر اور ادھر اُدھر کی باتیں کرنے کے بعد میں نے فون رکھ دیا۔

میں نے شمائلہ کو فون دل بہلانے کے لیے کیا تھا، وقت گزاری کے لیے۔۔۔ مگر اس کے بعد وقت کاٹنا اور بھی مشکل لگنے لگا۔ اس سے بات کرنے کے بعد میں ہلکی پھلکی ہونے کے بجائے اور بوجھل سی ہو گئی۔

پھوپھو کا اتنی محنت سے بنایا اٹالین لنچ مجھ سے چکھا تک نہ گیا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

☆☆☆☆☆☆

"آج اگر ابو کا فون آیا تو میں کہہ دوں گی کہ مجھے اب اور یہاں نہیں رہنا۔ آج دس دن ہو گئے ہیں بوریت کی سزا کاٹتے ہوئے۔"

"تم نے خود بوریت کو سر پہ سوار کر رکھا ہے، نہ کسی سے بات کرتی ہو نہ گھلتی ملتی ہو۔"

پہلی بار ودیعہ نے نہ صرف میری بات رد کی تھی بلکہ

میری ایک ایسی غلطی کی نشاندہی کی تھی جسے میں غلط ماننے پہ تیار نہ تھی۔ میں نے حیرت سے اسے دیکھا۔

"یہ تم کہہ رہی ہو۔۔۔؟ تم۔۔۔؟" میرے لہجے میں حیرت کے ساتھ ساتھ غصہ بھی تھا۔

"کسی سے بات نہ کرنے اور مکس اَپ نہ ہونے کا الزام تم لگا رہی ہو۔ جسے خود کسی کے سامنے آنے تک کی توفیق نہیں ہوتی۔ یہاں الوینہ میں پتہ نہیں کیا نظر آیا ہے جو اس سے چپکی رہتی ہو۔"

"اتنی سویٹ سی تو ہیں وہ۔۔۔ اتنی لونگ اور اتنی کیئرنگ۔" وہ اپنے ناخنوں پہ پھونکیں مارتے ہوئے کیوٹکس خشک کر رہی تھی۔ الوینہ کے ساتھ پارلر کے پہلے چکر میں اس کا فیشل اور مینی کیور ہوا تھا اور آج دوسرے چکر میں وہ اس کا ہیئر اسٹائل چینج کروا کے ایک نیا لک دے چکی تھی۔ مجھے ودیعہ بدلی ہوئی لگی۔

سراسر بدلی ہوئی صرف اس نئے ہیئر اسٹائل کی وجہ سے نہیں بلکہ اپنے پُراعتماد لہجے اور چونکا دینے والی بے نیازی کے باعث۔

"کیا محض دس دنوں میں کوئی اتنا تبدیل ہو سکتا ہے؟"

میں اپنی بات بھول کر سوچنے لگی، کیونکہ پچھلے کئی سالوں سے میں کوشش کر رہی تھی اسے اس کے خول سے

نکالنے کی۔ کبھی سمجھا بجھا کر، کبھی ڈانٹ ڈپٹ کر، کبھی پیار سے، کبھی دوسروں کی مثالیں دے کر۔ مگر وہ وہی دبو سی جھینپو لڑکی بنی رہی اور آج صرف دس دنوں کی کایا پلٹ کے بعد جو ودیعہ رحیم میرے سامنے تھی۔ وہ وہی تھی۔ ظاہراً اس میں سوائے اس کے اور کوئی تبدیلی نہیں آئی تھی کہ اس کی مریل سی چٹیا جو عرصے سے اس کی گردن سے ذرا اور نیچے تک بڑھنے کی اپنی سی کوشش کر رہی تھی۔ اب غائب تھی۔ اس کے ہلکے بال اسٹیپ فارورڈ کٹنگ سے پھولے پھولے لگ رہے تھے۔ صرف یہ ایک تبدیلی تھی جو "آنکھوں" کو نظر آتی تھی ورنہ باقی سب وہی تھا۔

وہی آنکھیں، وہی ناک، وہی لب، وہی رنگ۔۔۔۔۔

ہاں محسوس ہونے والی تبدیلیاں بہت سی تھیں۔ سراسیمگی کے عالم میں اِدھر اُدھر حرکت میں رہنے والی آنکھیں مطمئن سی چمک لیے ہوئے تھیں۔ انگلیاں چٹخانے کا شغل کئی دن سے ترک کیا ہوا تھا۔ مینی کیور کے بعد وہ ناخن چبانے سے بھی پرہیز کر رہی تھی۔ گردن ہلا کے جواب دینے کو کافی سمجھنے والی میری بہن میرے ہی سامنے میری بات کو رد کر رہی تھی۔ اور کس قدر اعتماد کے ساتھ کر رہی تھی۔

"میرا اور الوینہ کا ایج ڈفرنس خاصا ہے۔ وہ تو نادیہ آپی کی ہم عمر ہیں پھر بھی ان سے اتنے کم وقت میں اتنی اچھی دوستی ہو گئی ہے۔ تم پتا نہیں کیوں ان سے اکھڑی اکھڑی رہتی ہو۔ میرا تو خیال ہے کہ کوئی ان کی کمپنی میں بور ہو ہی نہیں سکتا۔"

یہ پہلی بار تھا کہ کوئی مجھ سے اختلاف کر رہا تھا۔ اور مجھے برا نہیں لگ رہا تھا۔ سچ تو یہ ہے کہ دس دنوں میں رفتہ رفتہ پیدا ہوتی یہ تبدیلیاں آج مجھے کھل کے واضح ہوتی نظر آئی تھیں۔ اور مجھے یہ بات خوشی دے رہی تھی۔

"اپنی اپنی پسند ہے بھئی۔ ضروری تو نہیں کہ ہر اس بندے سے دوستی ہو جائے جو آپ کی ایج کا ہو اور باتیں بھی مزے کی کرتا ہو۔ میرا اس کا مزاج الگ ہے۔"

"آؤ یار! بیڈ منٹن کھیلتے ہیں۔" پتہ نہیں الوینہ کہاں سے ٹپک پڑی۔

"میں۔۔۔ مجھے تو کھیلنا نہیں آتا۔" ودیعہ نے انکار کرتے ہوئے کن اکھیوں سے میری جانب دیکھا۔ "ہاں، ہادیہ بہت اچھا کھیلتی ہے۔"

"چلو، دیکھ لیتے ہیں۔ کیوں ہادیہ! ہو جائے ایک گیم اور تم بھی اٹھو۔۔۔ سست لڑکی! یہ کون سا مشکل کام ہے۔ منٹوں میں سکھا دوں گی۔"

وہ ودیعہ کا ہاتھ پکڑ کے کھینچنے لگی۔

میرے ذہن میں چھپاکا سا ہوا۔

"میں نے ہمیشہ ودیعہ کو زندگی کی دوڑ میں حصہ لینے پہ اکسایا ہے۔ سمجھایا ہے مگر۔۔۔ مگر کبھی اس کا ہاتھ تھام کے اپنے ساتھ شامل کرنے کی کوشش نہیں کی۔۔۔ شاید۔۔۔ شاید اسی لیے۔"

"کم آن ودی! اٹھو بھی۔ واقعی یہ کوئی مشکل کام نہیں ہے۔ پہلے ایک گیم ہم کھیلتے ہیں تم دیکھنا۔ پھر باری باری ہم دونوں کے ساتھ پریکٹس کرنا۔" محض اس کے لیے میں اٹھ کھڑی ہوئی۔

الوینہ کی بائیں ٹانگ، دائیں کے مقابلے میں کچھ چھوٹی بھی تھی اور کمزور بھی۔ اسے نہ صرف چلنے میں دقّت ہوتی تھی بلکہ اس ٹانگ پہ زیادہ زور بھی ڈالنا پڑتا تھا، اگرچہ پھوپھو نے اس کے لیے خاص جوگرز تیار کروا رکھے تھے جن میں بائیں والا ذرا زیادہ اونچا تھا۔ مگر وہ فیشن اور

میچنگ کی دلدادہ۔۔۔زیادہ تر سوٹ سے میچ کرتی نت نئے اسٹائل کی سینڈل اور چپلیں پہنا کرتی، بھلے لنگڑا کے ہی کیوں نہ چلنا پڑے۔اس وقت وہ وہی مخصوص جوگرز پہنے ہوئے تھی، اس لیے لنگڑاہٹ اور لڑکھڑاہٹ زیادہ نمایاں نہ تھی۔ مگر جو چیز نمایاں تھی وہ تھی درد اور تکلیف کا احساس جو اس کے چہرے پہ کھیلنے کے شوق اور جیتنے کے جوش کے ساتھ ساتھ نظر آرہا تھا۔

شاید اس کی کمزور ٹانگ اتنی اچھل کود برداشت نہیں کر رہی تھی، مگر وہ اسے مسلسل نظرانداز کرتی مجھے ہرانے کے بعد اب ودیعہ کو اسٹروکس لگانا سکھا رہی تھی۔

"تو یہ ہے وہ بات۔۔۔جو میں جان نہ پا رہی تھی۔" میں نے ودیعہ کے مگن انداز کو دیکھ کر سوچا مجھے اپنے سوال کا جواب مل گیا تھا کہ آخر میرے اتنے سالوں کی کوشش پہ الوینہ کا دس دن کا ساتھ سبقت کیسے لے گیا۔ کیسے وہ یہ بات اسے دِنوں میں سکھا گئی۔ جو بات سکھانے کی میں کب سے کوشش کر رہی تھی۔

میں نے صرف کوشش ہی تو کی تھی، میری خواہش ضرور تھی کہ وہ اپنے احساسِ کمتری سے باہر نکل کر عام لڑکیوں کی طرح رہے، مگر صرف نصیحتیں کرنے اور مثالیں دینے سے کیا ہوتا ہے۔ الوینہ نے شاید اسے ایک بھی نصیحت نہ کی ہو گی۔ ایک مثال تک نہ دی ہو گی۔ وہ خود ایک رول ماڈل بن کے اس کے سامنے آئی تھی۔

اور ودیعہ نے اس کی دیکھا دیکھی اعتماد سے جینا سیکھ لیا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

سنی کی برتھ ڈے پارٹی کی تیاریاں ہو رہی تھیں، اور مجھے دیکھ دیکھ کر ہنسی آرہی تھی۔ اتنا بڑا۔۔۔لمبا چوڑا، بیل

کا بیل۔۔۔بھلا برتھ ڈے کیک کاٹتا ہوا کیسا لگے گا اور وہ بھی سینکڑوں لوگوں کے درمیان۔

میں نے تصور ہی تصور میں اسے برتھ ڈے کیپ سجائے، کالر کے ساتھ غبارہ باندھے، اپنے ممی پاپا کے درمیان کھڑے موم بتیوں پہ پھونکیں مارتے دیکھا اور ایک بار پھر ہنسنے لگی۔

"کمال ہے، تم ہنسے جا رہی ہو۔ میں پوچھ رہی ہوں کہ ہم کل پارٹی پہ پہنیں گے کیا؟" ودیعہ نے چڑ کے سوال کیا۔

"میری جانے بلا۔۔۔" مجھے اس کی پریشانی پہ تاؤ آگیا۔ "میرے کان کیا کتر رہی ہو۔ جاؤ، جا کے اپنی الوینہ آپی سے پوچھو، جسے بیٹھے بٹھائے لاڈلے منے بھائی کی برتھ ڈے سیلیبریٹ کرنے کی سوجھی ہے۔ کل رات تک تو ایسا کوئی پروگرام نہ تھا۔ کھانے کی ٹیبل پہ پھوپھو نے سرسری سا ذکر کر کے صرف یہ یاد دہانی کرائی تھی کہ پرسوں حسن کا برتھ ڈے ہے اور پھوپھا جی نے ڈنر باہر کروانے کا وعدہ کیا تھا۔ آج صبح الوینہ نے پارٹی کا شوشہ چھوڑ دیا۔ جو ہے وہی پہن لینا۔ ہمیں کوئی پتہ تھوڑا ہی تھا کہ یہاں فنکشن ہونے والا ہے۔"

"پھر بھی۔۔۔پتہ نہیں کون کون آئے گا؟ کیا کیا پہن کر آئیں گے۔ نہیں، میں تو نہیں نکلوں گی کمرے سے۔ کیا فائدہ ایسے سڑے بسے کپڑے پہن کر مذاق بنوانے کا۔"

وہ اس وقت پرانی والی ودیعہ ہی لگ رہی تھی۔

"ذرا جلدی آنا تم لوگ۔۔۔میں اکیلی کیا کچھ دیکھوں گی۔" پھوپھو کی آواز سنائی دی اور اگلے لمحے وہ ہمارے کمرے کے دروازے پہ کھڑی تھیں۔ ان کے پیچھے الوینہ کا چہرہ نظر آیا۔ شاید وہ اسی سے بات کرتے کرتے آرہی تھیں۔

"پروگرام تم نے بنایا ہے، اسی لیے سب انتظام بھی تم کرو گی۔ مجھے یہ افراتفری والے کام پسند نہیں۔ نہ مجھ سے ہو پاتے ہیں۔ میرے تو ہاتھ پیر پھول جائیں گے۔ سنی نے بھی صاف انکار کر دیا ہے۔ تمہاری خوشی کے لیے وہ پارٹی پہ مان گیا ہے اتنا کافی جانو۔ مارکیٹ سے واپسی پہ کیٹرنگ اور پارٹی ڈیکوریٹرز سے سارے معاملات طے کر کے آنا۔"

"میں پہلے یہ کام نمٹاؤں گی، بعد میں مارکیٹ جاؤں گی۔ کم آن، ہری اپ گرلز! ہم شاپنگ کے لیے چل رہے ہیں۔"

مجھے اس کا یہی انداز تو ناپسند تھا۔ وہ سیدھا سیدھا آرڈر دے مارتی تھی۔ نہ پوچھتی تھی۔ نہ رائے طلب کرتی تھی، بس اپنا حکم سنا دیا۔ اور اس میں سامنے والے کی مرضی جانے بغیر اسے بھی گھسیٹ لیتی۔

"ہم بیڈمنٹن کھیلنے لگے ہیں۔"

"ہم پارلر جا رہے ہیں، تیار ہو جاؤ۔"

"ارے تم سونے لگی ہو۔ مگر ہم تو اسکریبل کھیلنے لگے ہیں۔"

شاید پھوپھو اور پھوپھا نے اس کی اس عادت کو پروان چڑھایا ہے۔ اس کا رویّہ ان کے ساتھ بھی یہی ہوتا ہے۔ اس کا مظاہرہ میں آج صبح ناشتے کے دوران دیکھ چکی تھی۔

کیسے اس نے بیٹھے بٹھائے کل شام کی پارٹی کا پروگرام بنایا اور فائنل بھی کر دیا۔

"میری طبیعت ٹھیک نہیں، مجھے نہیں جانا۔ ویسے بھی مجھے کوئی شاپنگ نہیں کرنی۔ کیا فائدہ لور لور کرنے کا۔" میں نے اچھی خاصی رکھائی سے جواب دیا۔

"کیوں نہیں کرنی۔ کل پارٹی میں کیا پہنو گی؟" اس نے میرا بازو کھینچ کر کھڑا کرنا چاہا۔ پتہ نہیں میری رکھائی اس پہ اثر کیوں نہیں کرتی تھی۔

"یہ کیا بات ہوئی ہادیہ!" پھوپھو نے میرے نزدیک آ کر میرے بالوں میں ہاتھ پھیرا۔ پتہ نہیں مجھے کیا ہوا۔ میرے اتنے دنوں کی اداسی ایک دم باہر آ گئی۔ میں امی کے لمس کو ترس گئی تھی۔ اور پھوپھو نے اس طلب کو اور بھڑکا دیا تھا۔ میں سر نیچے جھکا کے اپنی آنکھوں میں امڈنے والے آنسو چھپانے لگی۔ پتہ نہیں کوئی ان آنسوؤں کا کیا مطلب نکالتا۔

"تمہارے اپنے گھر میں فنکشن ہوتا تو کیا تم اتنی بے دلی سے پرانے کپڑے پہن کر ہی شرکت کرتیں۔ نہیں ناں؟ تم فرمائش کر کے ضد کرتے ہوئے اپنی امی سے نئے کپڑے بنواتیں۔ یہ بھی تمہارا اپنا گھر ہے، مجھ سے لینے کا بھی تمہارا حق بنتا ہے۔ میں کوئی تمہیں اور ودیعہ کو الوینہ سے الگ تو نہیں سمجھتی۔ چلو اٹھو، شاباش۔۔۔۔۔۔ بلکہ میری خواہش ہے، آج تم تینوں بہنیں ایک جیسی شاپنگ کرو۔"

ان کے کہنے پہ میں تیار ہو گئی۔

مارکیٹ جانے سے پہلے الوینہ نے ہمیں خوب خوب خوار کیا۔ نجانے کہاں کہاں لیے لیے پھرتی رہی۔ کبھی کیٹرنگ والوں کو ڈنر کا آرڈر دینے، کبھی فلاور اریجنمنٹ تو کبھی پارٹی ڈیکوریٹرز کے ہاں۔۔۔۔۔ پھر اس کی گاڑی ایک فاسٹ فوڈ ریسٹورنٹ کے سامنے کھڑی ہو گئی۔

"چلو کچھ کھا پی لیں۔ ذرا جان آ جائے گی۔ تو شاپنگ کرنے کی ہمت پیدا ہو گی۔"

میں اور ودیعہ اس مہنگے فاسٹ فوڈ میں داخل ہوتے ہوئے جھجک سے گئے۔ ایسا نہیں تھا کہ ہم کبھی ایسی جگہوں

پہ گئے ہی نہیں تھے۔ یاہو ٹلنگ کا یہ ہمارا پہلا تجربہ تھا۔ بہت زیادہ عادی نہ سہی ان تعیشات کی مگر کبھی کبھار چائنیز کھانے یا پیزا وغیرہ کھانے ابو کے ساتھ چلے جایا کرتے تھے لیکن ایسا پہلی بار تھا کہ ہم تین لڑکیاں کسی ریسٹورنٹ میں لنچ کرنے جا رہے تھے۔ اور الوینہ شاید اس کی عادی تھی۔ پھوپھو بھی اکثر کہتی رہتی تھیں کہ اسے باہر کا کھانا زیادہ پسند ہے۔

مجھے لگ رہا تھا جیسے ریسٹورنٹ میں موجود ہر شخص ہمیں گھورتی نظروں سے دیکھے گا کہ یہ تین جوان جہان لڑکیاں کسی بزرگ یا مرد کے بغیر اکیلی یہاں کیا کر رہی ہیں۔ مگر ایسا بالکل نہیں ہوا۔ سب کچھ نارمل تھا، بڑے اچھے ماحول میں ہم لنچ کر کے باہر نکلے۔ مختلف بوتیکس کو چھانتے ہوئے ہم تینوں بالآخر اپنے ڈریسز منتخب کرنے میں کامیاب ہو ہی گئے۔ صد شکر کہ الوینہ نے اس معاملے میں اپنی پسند ہم پہ ٹھونسنے کی کوشش نہ کی۔ ودیعہ اس کے باوجود اس کی رائے پوچھ پوچھ کے ہی چیزیں دیکھ رہی تھی۔ پھوپھو نے ہم تینوں کو الگ الگ پیسے دیے تھے، جو اچھے خاصے تھے۔

ہم نے بڑے خوبصورت کتان سلک کے سوٹ لیے تھے۔ جن کے رنگ مختلف تھے اور گلے، آستینوں پہ ہوا کندن کا ہلکا سا کام بھی الگ ڈیزائنوں میں تھا۔ سادہ دوپٹے تھے۔ اور میچنگ نازک سی سینڈلیں۔

آج بہت دنوں کے بعد میرا موڈ خوشگوار تھا جسے پھوپھو نے اور بھی خوشگوار کر دیا یہ کہہ کر "ہادیہ! تم اپنے ماموں کی فیملی کو بھی انوائیٹ کر لو، اچھا لگے گا اگر وہ بھی یہاں ہوں گے۔"

میں نے جھٹ وہاں کا نمبر ملایا۔

"ارے ہادیہ! خیریت؟ ابھی کل تو بات ہوئی تھی؟ اچھا بھئی، مفت کا فون ہے، عیش کرو۔" شمائلہ کھلکھلا کے

ہنس پڑی۔

"ماموں کہاں ہیں؟ مجھے بات کرنی ہے۔" میں چاہتی تھی کہ پھوپھو خود انہیں مدعو کریں۔ تو زیادہ مناسب ہو گا، اس لیے انہیں بلوایا۔

"کسی کی شکایت لگانی ہے۔ اپنی پھوپھو کی یا ان کے کسی چہیتے کی۔۔۔۔۔؟ بھئی میں کہہ دوں گی ابو سے کہ آپ کی بھانجی بڑی سخت تنگ ہے، اپنی امیر کبیر پھوپھی کے بنگلے پہ، جا کر اسے لے آئیں۔ ویسے وہ تو اس وقت گھر نہیں۔"

"ہادیہ! میری بات کراؤ۔" شہیر کی آواز آئی۔

میں کھل اٹھی۔ اگلے ہی لمحے ریسیور اس کے ہاتھ میں تھا۔ میری سماعتیں کسی ریشمی فقرے، کسی بہت مچلتے جذبے کو سننے کو بے قرار ہو گئیں۔ بھلا کیا کہے گا وہ۔۔۔ "جلدی آؤ۔۔۔۔۔ میں تمہارا انتظار کر رہا ہوں۔" یا نہیں۔۔۔۔۔۔

"وہاں کیا کر رہی ہو، یہاں تمہاری زیادہ ضرورت ہے۔۔۔۔۔۔ یا پھر۔۔۔۔"

میں اندازے لگا رہی تھی کہ اچانک میرے کانوں میں کوئی بہت تیز چیز چبھی۔

"یہاں آ کر تم دونوں نے کوئی زیادہ ہی پر پرزے نہیں نکال لیے؟ یہ ہوٹلوں میں گھومنا، سڑکوں پہ مارے مارے پھرنا، گاڑی دوڑانا۔ کیا پھوپھی جان کو پتا ہے، تم یہاں کیا کیا گل کھلا رہی ہو؟"

"کیا مطلب شہیر؟ کیا کہنا چاہتے ہو تم؟"

"میں نے دیکھا تھا تمہیں، اس لڑکی کے ساتھ ہوٹل میں۔۔۔۔۔" وہ ایسے جتا رہا تھا جیسے مجھے الوینہ کے ساتھ

نہیں کسی لڑکے کے ساتھ دیکھ لیا ہو۔

"ہاں وہ الوینہ۔۔۔۔۔وہ ہم شاپنگ کے لیے نکلے تھے تو راستے میں۔۔۔۔۔ہم لنچ ہی تو کر رہے تھے شہیر! اس میں برا کیا ہے؟"

"واہ بڑی جلدی خیالات بدلے ہیں۔ہادیہ بی بی! ہمارے ہاں لڑکیوں کا ہوٹلوں میں تنہا جانا اچھا نہیں سمجھا جاتا اور میرا خیال ہے تمہارے گھر کا بھی یہ ماحول نہیں ہے۔ابو ہمیشہ شمائلہ اور سدرہ کو تم لوگوں کی مثالیں دیا کرتے ہیں کہ دیکھو میری بہن نے اپنی بیٹیوں کی کیسی کڑی تربیت کی ہے۔اب اگر ابو کو پتہ چلے۔۔۔۔۔یا ان کی بہن کو تو پھر؟ ٹھیک ہے تمہاری پھوپھی کے گھر کا ماحول ہوگا مادر پدر آزاد۔۔۔۔ہم ایسے لوگ نہیں نہ ہی ایسی بے لگام آزادیاں افورڈ کر سکتے ہیں۔آئندہ تم مجھے اس لڑکی کے ساتھ آوارہ گردی کرتی نظر نہ آؤ۔"

"وہ میری کزن ہے شہیر۔۔۔۔۔"میں نے آواز دبا کے ادھر اُدھر دیکھتے ہوئے کہا۔پھوپھو اپنی ملازمہ سے کوریڈور کے آخری سرے پہ کھڑی بات کر رہی تھیں۔کافی فاصلہ تھا مگر پھر بھی میں ڈر گئی۔کہیں وہ سن ہی نہ لیں۔

"اور شاپنگ کے لیے جانا کوئی آوارہ گردی نہیں ہے۔"

"شاپنگ کے لیے جانا بری بات نہیں، میری بہنیں بھی جاتی ہیں۔مگر میرے ساتھ یا امی کے ساتھ۔اکیلی سڑکیں نہیں ناپتی پھرتیں۔میں نے اپنا سمجھ کے تمہیں کہا تھا، اگر تم ہمارے بجائے اپنی پھوپھو اور اس کی فیملی کو اپنا سمجھتی ہو۔اور ان کے طور طریقے تمہیں زیادہ بھاتے ہیں تو وہ الگ معاملہ ہے۔میں تو تمہیں اپنے گھر کے طور طریقے سمجھا رہا تھا۔اگر تم سمجھنا چاہو۔"

اس نے اتنا کہہ کر ریسیور دوبارہ شمائلہ کو تھما دیا۔میرا ذہن اسی کی باتوں میں الجھا ہوا تھا۔بہت مشکل سے میں نے خود پہ قابو پا کے اسے کل کی پارٹی کے بارے میں بتایا۔اور پھوپھو کی جانب سے ساری فیملی کو مدعو بھی کر لیا۔

"تم نے فون رکھ بھی دیا۔میں نے کہا بھی تھا کہ اپنی ممانی سے میری بات کروانا۔"پھوپھو میری جانب آئیں۔"میں خود انہیں دعوت دیتی۔کہیں وہ برا نہ مان جائیں۔"

"نہیں، ایسی کوئی بات نہیں پھوپھو!"میں بدقّت مسکرائی۔

مجھے پتہ تھا وہاں سے کوئی نہیں آنے والا۔یہ بھی غنیمت تھا کہ پھوپھو کی بات وہاں کسی سے نہ ہو پائی ورنہ شہیر کے خیالات ان تک پہنچ جاتے تو کتنا برا ہوتا۔مجھے نئے سرے سے اس کی باتیں یاد آنے لگیں۔میرا پارہ ذرا ذرا سی بات پہ ہائی ہو جایا کرتا تھا، لیکن یہ امر باعثِ حیرت تھا کہ مجھے اتنا غصہ نہیں آ رہا تھا جتنا آنا چاہیے تھا۔شہیر کے بارے میں میں بچپن سے جانتی تھی کہ وہ غصے کا تیز اور زبان کا کڑوا ہے۔لیکن یہ بھی پتا تھا کہ اسے بلاوجہ دوسروں کے معاملات میں دخل اندازی کی عادت نہیں۔وہ صرف خود سے وابستہ لوگوں پہ ہی اپنے نظریات اور اصول لاگو کرنے کی کوشش کرتا ہے۔میں بھی اسی نہج پہ سوچنے لگی۔

"بے شک امی نے براہ راست مجھ سے یہ بات نہیں کی، لیکن گھر میں ہونے والی باتوں سے میں یہ جان گئی ہوں کہ ماموں نے شہیر کے لیے میری خواہش ظاہر کی ہے تو یہ کیسے ممکن ہے کہ شہیر اس بات سے انجان ہو۔اور یہ بھی ہو سکتا ہے، ماموں نے یہ خواہش اس کے کہنے پہ ظاہر کی ہو۔ایسے میں اگر اس نے مجھ پہ اپنا حق جتاتے ہوئے کچھ کہہ بھی دیا تو غلط نہیں۔"

میری اس خوش فہمی پہ اونگھ لیتی ہوئی خودداری اکڑ گئی۔ "حق کیسا؟ اور الفاظ پہ غور کیا تھا تم نے؟ کس قسم کی زبان استعمال کر رہا تھا وہ؟ یہ کیسی اپنائیت ہے کہ سامنے والے کی عزت کا ہی خیال نہ کیا جائے اس قدر تنگ نظری، دقیانوسی ذہن۔"

"شہیر ٹھیک کہتا ہے، یہاں رہ رہ کے میرے نظریات خاصے تبدیل ہو گئے ہیں۔" میں نے خود اپنی ہی بات کی رد کیا۔ "اس تنگ نظری اور دقیانوسیت کا مجھے عادی ہو جانا چاہیے۔ میں اسی ماحول میں تو پروان چڑھی ہوں۔ شہیر

نے ایسی کون سی بات کی جو میرے لیے نئی ہو۔ ابو ہوتے تو شاید اس سے بھی سخت الفاظ استعمال کرتے، واقعی ہمارے ہاں کب اتنی گنجائش ہے بازاروں اور ہوٹلوں میں اکیلے پھرنے کی۔"

بار بار میرا دل اسے ہر الزام سے بری کر دیتا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

میرا اندازہ غلط ثابت ہوا۔ ماموں کی پوری فیملی پارٹی میں موجود تھی۔ کل فون پہ رُکھائی سے بات کرنے والا آج چہک رہا تھا۔ اس نے ستائشی نظروں سے میرا جائزہ لیا۔

"اچھی لگ رہی ہو۔"

اس کے کسی انداز سے کل کے رویّے کی ہلکی سی جھلک بھی نظر نہ آ رہی تھی۔ مگر میں نے رخ موڑ کے بے گانگی جتاتے ہوئے اسے کل کی تلخی کا احساس دلانا چاہا۔

"یہ سوٹ کہاں سے سلوایا ہے ہادیہ؟" سدرہ نے پوچھا جو پتہ نہیں کس بات پہ منہ پھلا کے ممانی کے ساتھ چپکی بیٹھی تھی اور ممانی تو خیر ہمیشہ ہی سنجیدہ سی رہا کرتی تھیں۔

"ریڈی میڈ لیا ہے۔ پتا نہیں کیا نام تھا بوتیک کا۔ دراصل اتنی بوتیکس پہ گھومے کہ اب ذہن سے نکل ہی گیا ہے کہ شاپنگ کہاں سے کی تھی۔"

"گلا بہت کھلا ہے اس کا۔" ممانی نے آہستہ آواز میں کہا اور میں خجل سی ہو گئی۔ میرا ہاتھ فوراً دوپٹے کو کھینچ کر نیچے کرنے لگا۔

"کیک اس کا کٹے گا؟" شمائلہ نے اپنے دوستوں کے درمیان کھڑے سنی کی جانب اشارہ کرتے ہوئے استہزائیہ پوچھا۔ میرے سر ہلانے پہ وہ سدرہ کو ٹہوکا دینے لگی۔

"کیا چونچلے ہیں بھئی، میں تو سمجھ رہی تھی کسی بچے کی سالگرہ ہے۔ بھئی ہم تو اسی لیے گفٹ نہیں لائے۔ کہ کیا پتا کس عمر کا بچہ ہے۔ اور یہ تو سرے سے بچہ ہی نہیں، اب اس امیر زادے کو لفافے میں پانچ سو روپے ڈال کے دینا کتنا برا لگے گا۔"

وہ مجھ سے کہہ رہی تھی اور میں ہاں یا ناں میں جواب تک نہ دے سکی۔ گفٹ دینا یا نہ دینا ان کا مسئلہ تھا۔ اخلاقی طور پر تو نہیں کچھ نہ کچھ دینا ہی چاہیے تھا۔ آخر پانچ کے پانچ لوگ اٹھ آئے تھے۔ مگر میں اپنی زبان سے کچھ کہنا مناسب نہیں سمجھ رہی تھی۔

"یہ تمہاری کزن کتنی اوورسی ہے۔" اب شمائلہ کی نظر الوینہ پہ ٹکی تھی۔

"بیچاری کو کوئی پوچھتا نہیں، اس لیے سب کی توجہ حاصل کرنے کے لیے اوچھی حرکتیں کر رہی ہے۔ ذرا

دیکھو تو کیسے ننھی بن کے ماں باپ کے کندھوں پہ جھول رہی ہے۔"

"اس کی کہیں بات وات طے ہوئی؟" ممانی نے بھی اس میں دلچسپی لی۔

"نہیں۔" مجھے گھبراہٹ ہو رہی تھی کیونکہ آس پاس سب ہی لوگ پھوپھو کے جاننے والے تھے۔ کہیں کوئی سن لیتا اور پھوپھو یا الوینہ تک ان کے تبصرے پہنچا دیتا تو۔۔۔۔

"نادیہ سے بڑی ہے ناں یہ؟"

"جی نہیں ممانی! اسی کی ہم عمر ہے بلکہ شاید ایک دو ماہ چھوٹی۔"

"ایک دو ماہ سے کیا فرق پڑتا ہے۔ اسی کے برابر ہوئی۔ وہ ماشاءاللہ گھر بار والی۔ بال بچوں والی اور یہ۔۔۔۔ چہ چہ بیچاری۔۔۔۔ بڑی بری قسمت ہے تمہاری پھوپھو کی۔ ساری عمر بیٹی کو گھر بیٹھے دیکھنا ہوگا۔ بھلا کون بیاہنے آئے گا اسے، ایک تو اپاہج، دوسرے چہرہ داغ دار۔"

مجھے اس لفظ "اپاہج" پہ سخت اعتراض ہوا۔ میں انہیں الوینہ کی ایکٹی وٹیز کے بارے میں بتانا چاہتی تھی جو کسی بھی طرح میرے یا شمائلہ سے کم نہیں تھیں مگر ڈنر شروع ہو جانے سے ان کا دھیان الوینہ سے ہٹ گیا۔

"ہماری بیٹی بہت چپ چپ ہے؟" ماموں نے ہمیشہ کی طرح مجھے اپنے کاندھے سے لگا کر پوچھا۔ وہ لوگ بس نکلنے ہی والے تھے۔

"ناراض ہو ہم سے؟" ان کے پوچھنے پہ میں نے جھٹ اثبات میں گردن ہلا دی۔

"وہ کیوں بھئی؟ ناراض تو ہمیں ہونا چاہیے۔ ہمیں تو بھول ہی گئیں تم یہاں آ کر۔ نہ کوئی فون، نہ کوئی رابطہ۔"

واقعی میری ان سے کبھی بھی فون پہ بات نہ ہو سکی تھی لیکن انہیں یہ تو علم ہونا چاہیے تھا کہ میں اتنے دنوں

تک باقاعدگی سے فون کرتی رہی ہوں یہ الگ بات کہ اتفاق سے یہ فون ان کی غیر حاضری میں ہو جاتا تھا۔ میں انہیں بتانے ہی والی تھی کہ شمائلہ نے میرا بازو پکڑ کر مجھے اپنی طرف کھینچ لیا۔

"یہاں کھڑے کھڑے کیا ناراضگیاں دور ہوں گی۔ کوئی کسی سے ناراض نہیں ہے۔ بس اداس ہیں ایک دوسرے کے لیے۔ کیوں ہادیہ! یہی بات ہے ناں؟ چلو تم ہمارے ساتھ چلو۔ ابھی چلو۔۔۔۔ یہ دو ہفتے کی اچھی پنج ہے۔"

"نہیں۔ مناسب نہیں لگتا، رحیم بھائی صاحب خود انہیں یہاں رکنے کا کہہ گئے ہیں اور ایسا نہیں ہے کہ ہماری طرف آنے سے منع کیا ہو۔ دو تین دن کی بات ہے۔ میں خود لینے آ جاؤں گا۔" ماموں نے منع کر دیا۔ ممانی نے بھی فوراً ان کی تائید کی۔

"پھوپھا جی سے میں بات کر لوں گا۔" شہیر نے دخل دیا۔ "آپ ہادیہ، ودیعہ سے پوچھ لیں۔ اگر یہ جانا چاہتی ہیں تو چلیں ساتھ۔"

یہ بات شہیر نے کی تھی اس لیے میری ناراضگی جو پہلے بھی خاصی زور آور نہیں تھی۔ اب اپنی باقی ماندہ سکت بھی کھونے لگی۔

میں نے ماموں کے پوچھنے پہ دھیرے سے سر ہلا دیا اور ودیعہ، وہ ناخن چبانے کے سوا اور کیا کر سکتی تھی۔

پھوپھو کو بتایا تو وہ حیران رہ گئیں۔

"اچانک؟ خیریت؟ کیا بات ہو گئی؟ کوئی تکلیف ہے بیٹا یہاں، کوئی مسئلہ ہے تو بتایا ہوتا۔"

وہ اتنی حیران پریشان نظر آ رہی تھیں کہ مجھے شرمندگی ہونے لگی۔ الوینہ بھی اپنے مہمانوں کو رخصت کرتے

کرتے یہیں آ گئی۔

"ایسی بات نہیں پھو پھو! بس وہ ماموں نے کہا تو میں انکار نہ کر سکی۔ جانا تو تھا ہی۔ چند دنوں بعد نہ سہی، آج سہی۔ میں پھر آؤں گی۔"

"ہاں، یہ یہاں سے تین دن پہلے جا رہی ہے، وہاں سے پانچ دن پہلے آ جائے گی۔ ٹھیک ہادیہ؟"

الوینہ نے حسبِ عادت خود ہی پروگرام سیٹ کر دیا جس پہ میں نے کسی قسم کا ردِ عمل ظاہر کرنا ضروری نہیں سمجھا۔

ودیعہ جلدی جلدی بیگ میں سامان ٹھونستے ہوئے کچھ کچھ ناراض اور کچھ کچھ اداس لگ رہی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

یہاں نہ تو سجا سجایا، ہر سہولت سے آراستہ گیسٹ روم تھا نہ ہی صاف ستھرا اٹیچ باتھ روم، نہ تو یہاں ہر صبح ملازمہ آکر ہمارے دھلنے والے کپڑے سمیٹتی تھی۔ نہ بیڈ شیٹ چینج کرتی تھی نہ تین ٹائم ڈائننگ روم میں بیٹھ کے پُر تکلف کھانے کھائے جاتے تھے۔ اس کے باوجود میں یہاں آکر مطمئن تھی۔

ایک عرصے بعد میں ادھر طویل قیام کے لیے آئی تھی اور پہلے کی طرح اس بار بھی ہم دونوں شائلہ اور سدرہ کے کمرے میں ٹھہرے تھے۔ وہ دونوں پہلے کی طرح اب بھی ذرا ذرا سی بات پہ بچوں کی طرح جھگڑا کرتی تھیں۔ عمر بڑھنے کے ساتھ ان کی عادتیں ذرا نہ بدلی تھیں۔ پہلے گولیوں، ٹافیوں پہ ایک دوسرے کی پونی ٹیلز کھینچنے والی، بعد میں بندوں، چوڑیوں پہ ایک دوسرے کے بازو مروڑنے والی، اب بھی اسی طرح لڑتی تھیں۔

اب وجہ تنازعہ کچھ اور رہا کرتا تھا۔

کبھی کام کے مسئلہ پہ، کہ ممانی نے مختلف کاموں کے لیے ان کی ڈیوٹیاں لگا رکھی تھیں۔

تو کبھی رشتوں پہ پھوٹ پڑ جاتی۔ شائلہ کے لیے آنے والے رشتے نامعلوم وجوہات کی بنا پہ سدرہ کی جانب منتقل ہو جاتے تھے۔ اس بات پہ جہاں شائلہ فساد کھڑا کر دیتی وہاں سدرہ بھی اسے جلانے تڑپانے سے باز نہ آتی۔ یہ تماشا ہمارے یہاں آنے کے دوسرے ہی دن رونما ہوا۔

"تو کالی بوتھی والی، جان بوجھ کے مٹکتی ہوئی وہاں آ جاتی ہے۔ امی نے منع کیا تھا تو کیا ضرورت تھی اندر آنے کی۔"

"جان بوجھ کے نہیں گئی تھی میں۔ اور اگر منہ کالا ہے تو پھر تمہارے لیے آنے والے رشتے مجھ پہ کیوں لٹو ہو جاتے ہیں پھیکے شلجم۔"

سدرہ میری ہم عمر تھی اور شائلہ مجھ سے دو برس بڑی، مگر شادی کے لیے وہ دونوں ایسی پاگل ہو جایا کرتیں جیسے یہ کوئی زندگی موت کا مسئلہ ہو۔ میں تو بیزار سی ان کی لڑائی سن رہی تھی کہ اس کے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔ آخر ان ہی کا کمرہ تھا۔ ودیعہ بھی ہکا بکا سی باری باری دونوں کا منہ تک رہی تھی۔

"بند کرو یہ ڈرامہ۔۔۔۔۔ آواز باہر تک آ رہی ہے۔" ماموں نے اندر آکر دھاڑتے ہوئے انہیں چپ کرایا۔

وہ منہ ہی منہ میں بڑبڑاتے ہوئے اب ایک دوسرے کو کھا جانے والی نظروں سے دیکھ رہی تھیں۔

"اور ہادیہ! کم از کم تم ہی انہیں سمجھاؤ۔" میں بے چارگی سے انہیں دیکھنے لگی۔

"ذرا تمیز نہیں سکھائی تمہاری ماں نے تمہیں۔ اس عورت نے میری زندگی ہی نہیں میری نسل بھی برباد کر کے

رکھ دی ہے۔ ان کو دیکھو۔ تمہاری عمر کی ہی ہیں۔" وہ ہماری جانب اشارہ کرنے لگے۔

"کتنی مدبر، کتنی سمجھ دار اور کیسی مہذب ہیں، ان سے ہی کچھ سیکھ لو۔"

وہ تو کہہ کے چلے گئے، اب ان دونوں کی کھا جانے والی نظروں کا رخ ہماری جانب تھا۔ ودیعہ نے سہم کر کمبل میں منہ چھپا لیا۔ میں ماموں کے اس طرزِ عمل کی عادی تھی۔ وہ امی سے بہت محبت کرتے تھے اور ان کی سمجھ بوجھ کے معترف بھی، ہم سے پیار تو کرتے ہی تھے مگر ہماری عادتوں کو پسند بھی کرتے تھے اور برملا ان کا تقابل اپنی اولاد کی عادتوں سے کرنے سے نہ چوکتے تھے۔ مجھے ہمیشہ اس صورتِ حال میں مزا آتا تھا۔ بھئی اپنی تعریف سننا کسے برا لگتا ہے۔ بچپن میں تو میں باقاعدہ شمائلہ کو منہ چڑا دیا کرتی تھی لیکن آج نجانے کیوں شرمندگی سی محسوس ہوئی۔ مجھے شمائلہ کی ناراضی کا خدشہ محسوس ہو رہا تھا۔

"مجھے یہاں بہت عجیب سا محسوس ہو رہا ہے۔" رات کو ودیعہ نے میرے کانوں میں گھستے ہوئے منمنا کر کہا۔

میں نے گھور کے اسے دیکھا۔

"میں جانتی ہوں، کیا عجیب محسوس ہو رہا ہے۔ یہاں وہ عیش و آرام جو نہیں جو وہاں تھا۔ یہی بات ہے ناں؟ کتنی فضول سوچ ہے تمہاری ودیعہ! یہ ہمارے ماموں کا گھر ہے، کتنا پیار کرتے ہیں وہ ہم سے۔ امی کے بارے میں سوچو، ان کے دل میں اس گھر اور اس کے مکینوں کے لیے کیا جذبات ہیں۔ ٹھیک ہے۔ ماموں کے یہاں

کوئی بڑی سی گاڑی نہیں ہے، جس میں وہ ہمیں گھمانے کے لیے باہر لے جا سکیں، لیکن اس سے یہ تو ثابت نہیں ہوتا کہ وہ ہمیں پھوپھو سے کم پیار کرتے ہیں۔ یہاں کوئی نوکر چاکر نہیں جو ہمارے کپڑے دھو کر پریس کر کے ہینگر میں لٹکا کے ہمیں کمرے میں دے جائیں یا ہمارے ایک اشارے پہ چائے ٹرے میں لگا کر پہنچا دیں۔ شمائلہ یا ممانی پہ سارا بوجھ ڈالنا مناسب نہیں لگتا اور نہ ہی ہم ایک آدھ دن کے لیے آئے ہیں، اسی لیے میں نے تمہیں اپنے چھوٹے چھوٹے کام خود کرنے کے لیے کہا تھا۔ شاید یہ بھی تمہیں کچھ عجیب لگا ہو۔"

"ایسی بات نہیں ہے۔" وہ زچ ہو گئی۔ "گھر پہ بھی تو کام کرتے ہیں ہم، پھر یہاں ممانی کا ہاتھ بٹانے میں کیا حرج ہے۔ پھوپھو کے گھر میں بارہ دن میں کوئی میری عادتیں خراب نہیں ہو گئیں۔ میں تو کچھ اور کہہ رہی تھی۔ تم سمجھ نہیں رہیں۔"

یا شاید وہ سمجھا نہیں پا رہی تھی۔ اسے یہ فن آتا بھی نہیں تھا۔ اس لیے مزید کچھ کہنے کے بجائے اس نے کروٹ بدل لی۔

کچھ تو عجیب تھا، جو مجھے بھی محسوس ہو رہا تھا، مگر میں اسے کوئی نام نہیں دے پا رہی تھی۔ شاید عجیب بات یہ لگ رہی تھی کہ میں جس مانوسیت کی تلاش میں یہاں آئی تھی، وہ مجھے اب تک نظر نہ آئی تھی۔ پھوپھو کے ہاں سب کچھ ٹھیک تھا۔ سب کے رویّے نارمل بلکہ تسلی بخش، مگر میں وہاں کے ماحول میں ایڈجسٹ نہیں ہو پا رہی تھی۔ پچھلے کچھ سالوں میں ابو کے کاروبار نے بھی خاصی ترقی کی تھی۔ لیکن امی نے جو چند سال تنگ دستی کے دیکھ لیے تھے، ان کی وجہ سے وہ خاصی کفایت شعار اور دوررس ہو گئی تھیں۔ ان کا سلیقہ گھر میں نظر ضرور آتا تھا مگر امارت اور ٹیپ ٹاپ کا اظہار کم ہوتا تھا۔ ابو نے بھی استطاعت رکھنے کے باوجود نئی گاڑی لینا

ضروری نہ سمجھا۔ یہ ان کی قناعت پسندی تھی۔ گھر اپنا بن چکا تھا۔ معقول علاقے میں اچھی خاصی مالیت کا خوبصورت ڈبل اسٹوری بنگلہ تھا۔ امی بھی اس پہ مطمئن تھیں اب وہ دونوں جو کچھ پسِ انداز کر رہے تھے، وہ ہم دونوں کے لیے تھا۔ پھوپھو کے اور ہمارے رہن سہن میں خاصا فرق تھا۔ وہاں وہ حالات تھے کہ انہیں بچت، کفایت یا کٹوتی وغیرہ کا مطلب بھی معلوم نہ تھا۔ کئی کنال پہ پھیلا محل نما بنگلہ جس کے چپے چپے کی آرائش سے مکینوں کی خوش حالی کا اندازہ ہوتا تھا، ہر کمرے میں لاکھوں کی مالیت کا فرنیچر، قالین اور پردے تھے۔ چار چار گاڑیاں تھیں۔ سنی کے ذاتی گیراج میں ایسی موٹر بائیکس تھیں جن کا متوسط طبقے کے نوجوان صرف خواب ہی دیکھ سکتے تھے۔ انہیں اپنے کچن میں ہفتہ وار مینیو بناتے ہوئے بجٹ کا دھیان نہیں رکھنا پڑتا تھا، الغرض سب کچھ مختلف تھا اور میں اس مختلف ماحول میں خود کو مِس فٹ سمجھ رہی تھی۔ حالانکہ پھوپھو، پھوپھا اور الوینہ کا رویّہ پر خلوص اور سادہ تھا، لیکن مجھے ان کا دلجوئی کرنا بھی یوں محسوس ہوتا جیسے وہ ہمیں بہلا رہی ہوں۔

"بھلا ان بیچاریوں نے یہ سب کہاں دیکھا ہے، چار دن یہ بھی عیش کر لیں یہاں۔"

یہ سوچ آتی اور میرا دل وہاں سے بھاگنے کو چاہتا۔ کسی

ایسی جگہ کی تلاش میں جو اتنی پرانی، اتنی الگ نہ ہو، بالکل اپنی اپنی سی لگے۔ اپنے گھر جیسی، اپنے لوگوں جیسی۔ ماموں کے گھر آنے کی ایک وجہ تو یہ تھی۔ دوسری وجہ بلاشبہ شہیر تھا۔ فطری سی بات تھی، ایک عام سی لڑکی ہونے کے ناتے گھر میں ہونے والی تعمیری سازشوں کی وجہ سے میں اس رشتے میں کشش محسوس کرنے لگی

تھی۔ اس کی جگہ کوئی بھی ہوتا۔ میں ایسا ہی محسوس کرتی، یہ طے نہیں تھا۔ شہیر کی بات اور تھی۔ اس میں ایسی بہت سی خوبیاں تھیں جن کے بارے میں میں نے پہلے نہیں سوچا تھا۔ مگر امی سے اپنے اور اس کے رشتے کی بات سن کر میں نے ذرا غور کیا، تب وہ خوبیاں میرے سامنے آئیں۔

وہ ہماری فیملی کا سب سے ہینڈسم لڑکا تھا اور سب سے زیادہ تعلیم یافتہ بھی، سب سے اہم بات یہ کہ ابو بھی اسے اس کی بعض عادات کی وجہ سے خاصا پسند کرتے تھے اور یہ بات ہی میرے لیے تسلی بخش تھی۔ امتیاز بھائی ان کا اپنا انتخاب تھے اس کے باوجود ابو ان سے حد درجہ نالاں رہتے۔ نہ صرف وہ بلکہ امی بھی ان کی حرکتوں کی وجہ سے اکثر نادیہ سے الجھتی رہتیں اور اس کی وجہ صرف اور صرف ان کی تعلیم کی کمی اور عقل کا فقدان تھا۔ میں اپنے لیے کسی ایسے شوہر کا تصور بھی نہیں کر سکتی تھی جو میرے لیے شرمندگی کا باعث بنے۔ لوگ اس کے منہ پہ اور پیٹھ پیچھے اس کا مذاق اڑا کر مزے لیتے ہوں۔

شہیر کے ساتھ ایسا کوئی مسئلہ نہ تھا۔ بلکہ وہ اپنی عمر سے کہیں زیادہ مدبرانہ مزاج اور سمجھ بوجھ رکھتا تھا۔ بس یہی سوچ کر میں مطمئن ہو گئی تھی۔ جانتی تھی کہ امی، ماموں پہ جان چھڑکتی ہیں اور ابو کے بھی ان سے لاکھ اختلاف ہوں، ماموں کے معاملے میں وہ بھی اچھی رائے رکھتے ہیں۔ یقیناً حج کی ادائیگی کے لیے انہوں نے اس معاملے کو ٹال دیا ہو گا۔ ورنہ ان کا جواب "ہاں" میں ہی ہو گا۔ یہ یقین بھی مجھے اس گھر کی طرف کھینچ رہا تھا۔ میں شہیر کو اب اپنے دل کے بدلے ہوئے جذبات کی روشنی میں دیکھنا، جانچنا اور پرکھنا چاہتی تھی۔ اس سے پہلے وہ میرے لیے صرف ایک کزن تھا۔

اور۔۔۔ اور۔۔۔ یہاں آنے کے بعد مجھے ایک ہلکا سا دھچکا لگا۔ پھر ایک اور دھچکا۔ مسلسل چار پانچ روز سے

یہ دھچکے برابر محسوس ہو رہے تھے۔ جس اپنے اپنے سے ماحول کی تلاش میں میں پھوپھو کے گھر سے جان چھڑا کر ادھر بھاگی تھی وہ ماحول کہیں نہیں تھا۔ اگر وہاں کا لائف اسٹائل وہ ہائی فائی اپر کلاس لائف اسٹائل مجھے اپنے طرزِ زندگی سے مختلف اور برتر محسوس ہوتا تھا تو یہاں کا ماحول معیار سے کہیں کم۔ امی اکثر و بیشتر ممانی کے پھوہڑ پن اور بدسلیقگی کے رونے روتی تھیں جسے میں نے خاص سنجیدگی سے کبھی نہیں لیا۔ کہ یہ نند بھاوج کی فطری اور روایتی پرخاش بھی ہو سکتی ہے لیکن یہاں آنے کے بعد ان کے سارے بیان سچ ہوتے نظر آئے۔ یہ گھر ممانی کی بدسلیقگی، بدانتظامی اور گھر سے عدم دلچسپی کا منہ بولتا ثبوت تھا۔

پردے وہی لٹک رہے تھے جو آج سے گیارہ بارہ سال پہلے کھڑکیوں کی زینت تھے۔ مجھے یاد نہیں کہ تب وہ نئے تھے یا تب بھی ان کی حالت ایسی ہی تھی۔ بہر حال اب وہ اپنی اصل رنگت کھو چکے تھے۔ بار بار دھونے کی وجہ سے۔ شیفون جیسے ہلکے تھے کہ ان کے آر پار باآسانی دیکھا جا سکتا تھا۔ شاید اسی لیے کافی عرصے سے دوبارہ دھونے کی زحمت نہیں کی گئی تھی۔ میل کچیل اور مختلف چکنے داغ نظروں کو کوفت میں مبتلا کرتے تھے۔

صوفوں کا کپڑا جگہ جگہ سے ادھڑا اور پھٹا ہوا تھا۔ ہر صوفے پہ مختلف رنگ اور ڈیزائن کی بستر کی پرانی استعمال شدہ چادریں پھیلا کے ان کے ادھڑے ہوئے زخم چھپانے کی کوشش کی گئی تھی جس سے اور بھی بدنظمی کا احساس نمایاں ہوتا تھا۔ ڈرائنگ روم کے قالین کے نقش و نگار کہیں چھپ چکے تھے وہ بدبو کے بھبھکے پھینک رہا تھا۔ لاؤنج کا قالین اٹھا دیا گیا تھا اور فرش پہ ہر وقت پانی پھیلا رہتا۔ جس کی وجہ یہ تھی کہ جو بھی وہاں بیٹھا پانی پیتا۔ گلاس نیچے ہی رکھ دیتا۔ جو کسی گزرنے والے کی ٹھوکر سے گر کر شہید ہوتا اور پانی دور دور تک پھیل جاتا۔

ممانی سبزی بناتیں تو چھلکے بھی اسی فرش پہ اور دوسرے بھی کچھ کھاتے پیتے تو خالی پلیٹیں، نوچی ہوئی ہڈیاں، چوسے ہوئے پھل سب فرش یا میز پہ ڈھیر ہوتے۔ غرض گھر کا یہ حصہ جہاں اہلِ خانہ کا سب سے زیادہ وقت صرف ہوتا گھر کا سب سے گندا بلکہ غلیظ حصہ تھا۔ الماریوں میں کپڑے رکھے نہیں جاتے تھے بلکہ ٹھونسے جاتے تھے، کچھ نکالنا ہوتا تو پہلے یہ ڈھیر نیچے گرایا جاتا۔ پھر مطلوبہ چیز نکال کر یہ ڈھیر دوبارہ اندر ٹھونس کر پاؤں کی ٹھوکر سے الماری کے پٹ بند کیے جاتے۔

پینے کے گلاس، چائے کے کپ، سالن کی پلیٹیں سب کے کنارے بھبھرے تھے جن میں میل پھنسا نظر آتا تھا۔ کھانا بھی عجیب بے دلی سے پکتا، ممانی، شمائلہ اور سدرہ ایک دوسرے پہ اپنے کام بھی ٹھونسنے کی عادی تھیں اور پھر کام کے غلط ہونے کا الزام بھی دوسرے کے سر پہ ہی لگایا جاتا۔ میں تو چند دنوں میں ہی گھبرا کے رہ گئی۔ میں اور ودیعہ دونوں ہی پڑھ رہے تھے۔ اس کے باوجود امی نے جو چند ایک کام ہمارے سپرد کر رکھے تھے انہیں وقت پہ کر دیا کرتے تھے۔ امی خود بھی سارا دن مصروف رہا کرتی تھیں۔ اس کے باوجود ابو کو کوئی نہ کوئی موقع مل ہی جاتا۔ کسی نہ کسی کمی کی نشاندہی کرنے کے لیے۔

میرا دل چاہ رہا تھا، میں ابو کو کہیں سے کھینچ کے لاؤں اور اس گھر کا نقشہ دکھا کر امی کے لیے انصاف طلب کروں۔ تب شاید انہیں امی کے سگھڑاپے اور سلیقے کی قدر ہو کہ کس طرح بغیر فضول خرچی کیے ہم دونوں بہنوں کے جہیز کے لیے پیٹیاں بھرنے کے ساتھ ساتھ انہوں نے گھر کو بھی سنوار رکھا تھا۔ ہمارے گھر میں بھی اگرچہ فرنیچر برسوں پرانا تھا مگر اس کے کور، کشن وغیرہ امی سال میں دو مرتبہ بدلتی رہتی تھیں۔ ان کے

ہنر مند ہاتھوں کے کئی آرائشی شاہکار دیواروں پہ آویزاں تھے۔ان کے ہاتھ کے ذائقے کے بھی سب ہی معترف تھے۔ایسے میں اگر میں ماموں کو روز شام چیخ و پکار کرتے اور برتن پٹختے دیکھتی تو مجھے وہ کسی حد تک حق بجانب لگتے۔

آج میں نے کھانا پکانے کا بیڑا اٹھایا تھا۔ ممانی نے میری فرمائش پہ کوئی خاص تعرض نہ کیا اور آرام سے سبزی کی ٹوکری مجھے تھما کے خود پڑوس میں چلی گئیں۔ میتھی کی گٹھی تھی۔ کچھ آلو تھے۔

"بس اتنا سا۔۔۔ جب ہی تو روز کھانا کم پڑ جاتا ہے۔اور ماموں چلاتے ہیں، بے برکت کھانے پہ ممانی سے لڑتے ہیں۔"

میں نے میتھی کے پتے توڑے تو وہ اور بھی ذرا سے رہ گئے۔ خیر میتھی ابلنے کے لیے رکھ کے میں نے دالوں اور مسالوں والی کیبنٹ کھولی، مختلف بند، کھلے اور ادھ کھلے لفافوں کا ڈھیر تھا۔ کسی میں دالیں۔ کسی میں بیسن، کسی میں چاول اور کسی میں گرم مسالے تھے۔ کئی قسم کی دالیں لفافوں سے نکل کر کیبنٹ میں بھی پھیلی ہوئی تھیں۔ میں پکانے کے لیے دال کا انتخاب کرنا بھول گئی۔

پہلے سب کچھ نکال کر کیبنٹ کو جھاڑا پونچھا۔ گرد سے اٹے خالی پلاسٹک ڈبوں کو دھو کر خشک ہونے رکھا۔ ماش کی دال بھگو کر مسالا بھوننے کے لیے چڑھایا۔ جب دونوں چولہوں پہ ہانڈیاں دھری تھیں تب تک ڈبے خشک ہو گئے۔ان میں دالیں اور چاول مسالے وغیرہ ڈال کر ترتیب سے لگائے، مولی اور ہری مرچ کی چٹنی بنائی، پودینے کا رائتہ، لیموں کا رس چھڑک کے پیاز، ٹماٹر اور کھیرے کی کچومر سلاد تیار کی۔

ٹرے میں سب کچھ لگا کر میں بڑی مطمئن تھی کہ ممانی کی پڑوس سے واپسی ہوئی۔ میں اپنی کارکردگی پہ داد کی

مستحق بھی تھی اور منتظر بھی۔ ذرا سی دیر میں دو ڈشز، گھر کی بنی نرم گرم روٹیوں اور چٹنی سلاد کے ساتھ تیار تھیں۔ کچن بھی صاف تھا اور برتن بھی دھو کر سمیٹے ہوئے تھے۔ مگر ممانی کی نظران سب پہ نہ گئی۔ وہ تو چولہے پہ رکھی کڑاہی اور دیگچی کو دیکھ کے ہی چونک گئیں اور تیر کی طرح آگے بڑھیں۔

"دو دو چیزیں بنا ڈالیں؟" ان کی آواز صدمے سے پھٹ رہی تھی۔ ڈھکن اٹھا کے دیکھنے کے بعد صدمے کے تاثرات ان کے چہرے سے بھی چھلکنے لگے۔

"رات کے وقت کوئی ماش کی دال نہیں کھاتا اور تم نے پاؤ بھر بنا ڈالی ہے۔ اتنی زیادہ؟ اب بچ گئی تو کتنا اسراف ہو گا۔ ساٹھ ستر روپے کلو مل رہی ہے۔"

"اتنے لوگوں میں پاؤ بھر دال زیادہ تو نہیں ممانی۔" میں نے کہنا چاہا۔ اب وہ ٹرے میں رکھے چٹنی اور رائتہ کے پیالے چیک کر رہی تھیں۔

"چٹنی بنائی تھی تو رائتہ رہنے دیتیں۔ دہی بچ جاتا تو کل کڑھی بنانے کا ارادہ تھا۔ خیر۔۔۔ اور سلاد میں ٹماٹر ڈالنے کی کیا ضرورت تھی۔ پچاس روپے کلو ملے تھے۔"

"بس آدھا ہی ڈالا ہے۔" اب کے میری آواز بھی مری مری سی نکلی۔ سارا جوش و خروش دم توڑ گیا تھا۔ بعد میں ماموں کی بے ساختہ اور کھلی ڈلی تعریفیں بھی اسے بحال نہ کر سکیں۔ شاید یہ تعریفیں کچھ خوش گوار اثر ڈال ہی دیتیں اگر ان کا تاثر زائل کرنے کے لیے فوراً ممانی یا سدرہ کی جانب سے کوئی جوابی تبصرہ نہ آتا۔

"اسے کہتے ہیں آلو میتھی۔ ورنہ ساگ ہو یا پالک یا میتھی ہو۔ کھاتے ہوئے گھاس پھونس کا ذائقہ ہی آتا ہے۔"

"زیادہ بھوننے سے سبز پتوں والی سبزیوں کی غذائیت ختم ہو جاتی ہے ابو جان!" سدرہ کا ماہرانہ تجزیہ نشر ہوتا۔

"ہم تو چسکے سے زیادہ حفظان صحت کے اصولوں کو مدّ نظر رکھتے ہوئے کھانا پکاتے ہیں۔"

اس کے حفظانِ صحت کے اقدامات کا عملی مظاہرہ میں کچن کی ابتر حالت سے دیکھ چکی تھی۔ اس لیے کڑھ کے رہ گئی۔

"دال کا ایک ایک دانہ الگ ہے۔ گھوٹ کر حلوہ نہیں بنایا۔"

ان کی اس داد کو ممانی مسترد کر دیتیں یہ کہتے ہوئے۔ "اتنے گھی میں کھڑی کھڑی ہی پکے گی۔ حالانکہ ماش کی دال ویسے ہی دیر سے ہضم ہونے والی چیز ہے، اگر ذرا سخت رہ جائے تو پیٹ میں درد لازمی ہے اس لیے میں خوب پکاتی ہوں۔"

اس سے پہلے کہ ماموں سلاد اور چٹنی کی تعریف کرتے۔ شمائلہ نے پہلے ہی اس کا توڑ پیش کر دیا۔

"پیاز کی سلاد بنانا ہو تو پہلے پیاز کو اچھی طرح دھویا جائے۔ یہی بہتر رہتا ہے۔ اس سلاد کو کھانے کے بعد تو دو دن تک منہ سے بدبو نہیں جائے گی۔"

"جو لوگ چار چار دن دانتوں کو برش نہ کرتے ہوں۔ ان کے ساتھ ضرور یہی مسئلہ ہوتا ہے، اس لیے بہتر ہے تم یہ سلاد نہ ہی کھاؤ۔"

اب تک چپ چاپ بیٹھے شہیر نے پلیٹ سے سر اٹھا کے شمائلہ سے چھپے ہوئے انداز میں کہا اور دوبارہ منہ میں لقمہ رکھ کے چبانے لگا۔ مجھے گویا ٹھنڈ پڑ گئی۔ شمائلہ کے تاثرات دیکھنے والے تھے۔ کھانے کے بعد ماموں نے

مجھے شاباش کے طور پر ایک سو روپیہ دیا۔ سو روپے کی وقعت ہی کیا ہوتی ہے۔ لیکن اس وقت مجھے ان پہ بے حد پیار آیا۔ وہ میرا دل رکھنے کے لیے نہیں، میرا دل بڑھانے کے لیے ایسا کر رہے تھے۔ وہ سو کا نوٹ تھامتے ہوئے میرے دل سے ممانی کی ناگوار باتوں کی کوفت دھلنے لگی۔

"لو بھئی، یہاں آنے کے بعد تو کمائیاں بھی شروع ہو گئیں۔" شمائلہ نے مسکراتے ہوئے میرے کاندھے کے گرد اپنا بازو پھیلایا۔ وہ ایسی ہی تھی۔ ابھی ممانی کے سامنے ان کی ہاں میں ہاں ملانے والی۔ کبھی سدرہ کی مخالفت میں مجھ پہ نثار ہونے والی۔ تو کبھی ماموں کی واضح جانب داری پہ ناراضی کے طور پر مجھ سے کھنچ جانے والی۔

"چلو، آئسکریم کھا کے آتے ہیں۔" اس نے مشورہ دیا۔

"ماموں تو آرام کرنے چلے گئے ہیں۔"

"تو کرنے دو۔ ویسے بھی ابو، امی کو آئس کریم سے خاص شغف نہیں اور ایک سو روپے میں تم کس کس کو آئس کریم کھلاؤ گی۔"

"پیسوں کا کیا ہے اگر کچھ اور بھی لگ گئے تو۔۔۔" میں نے حاتم طائی بنتے ہوئے کہا۔ "شہیر آ جائیں تو کسی اچھی پارلر میں جا کے کھاتے ہیں۔" "وہ کھانا کھاتے ہی نکل گیا تھا، اور میرا خیال تھا کہ اس کے آنے کے بعد ہی ایسا کوئی پروگرام بن سکتا ہے۔

"لو۔۔۔ وہ تو اچھی طرح لے جائے گا پارلر میں۔" شمائلہ نے منہ بنایا۔ "گھر میں لیٹر پیک لا کر منہ پہ مار دے گا۔ ہم اس کے آنے سے پہلے پہلے واپس آ جائیں گے۔ چلو، جلدی کرو۔ میں سدرہ کو بلاتی ہوں۔"

مجھے ہکا بکا چھوڑ کے وہ تیار ہونے اندر بھاگی۔

"تمہیں کیا ہوا؟ کیا پچھتاوا ہو رہا ہے آئس کریم کی آفر دے کر؟" ودیعہ چونکہ میرے اور شہیر کے درمیان ہونے والی بات سے بے خبر تھی، اس لیے میری حیرانی پہ حیران ہو رہی تھی۔ اب میں اسے کیا بتاتی کہ فون پہ مجھے مارکیٹ میں اکیلے گھومنے پہ سو سو باتیں سنانے والے اور اپنے گھر کے ماحول اور اصولوں کے سبق پڑھانے والے کے پیٹھ پیچھے کیا ہو رہا ہے۔

"امی! اگر بھائی ہمارے آنے سے پہلے آ گیا تو ہمیں ہادیہ کے موبائل پہ ایک بیل دے دیجیے گا اور ہاں۔۔۔۔۔ کچن والا دروازہ کھلا رہنے دیں، وہیں سے آ جائیں گے ہم۔ اس سے کہنا، وہ چاروں سو گئی ہیں۔ میں نے کمرے کا دروازہ بند کر دیا ہے۔"

ممانی کو احتیاطی تدابیر دہراتی وہ ان سب کی پکی عادی لگ رہی تھی۔ ممانی نے بھی جمائیاں روک کے بے زاری سے سر ہلایا۔

"جلدی آنا اور میرے لیے قلفہ فلیور لے کے آنا۔"

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

"سنو، کیا تمہارے سیل فون سے ایک کال کر لوں؟" ودیعہ کے پوچھنے پہ میں نے بیلنس چیک کیا اور

افسوس سے سر ہلا دیا۔

"نہیں یار! کال نہیں ہو سکتی۔ دھیان ہی نہیں رہا۔" یہ سیل فون ابو کا ہی تھا جو وہ جاتے ہوئے مجھے دے گئے تھے تاکہ رابطہ کی سہولت رہے۔ حالانکہ فون پھوپھو کے گھر بھی لگا تھا اور ماموں کے ہاں بھی۔ یہ سیل فون استعمال کرنے کی چونکہ میں عادی نہ تھی، اس لیے یہ دھیان بھی نہ رہا کہ کارڈ ڈلوانے کی ضرورت ہے۔

"مجھے الوینہ آپی سے بات کرنا ہے۔ روز وہ فون کرتی ہیں۔ سوچا آج میں کر لوں۔ باہر سے کرنے کی ہمت نہیں ہو رہی۔ فون سننے بھی جاؤ تو ممانی یا جو بھی پاس ہو، وہ بڑھتے ہوئے بل کے رونے رونے لگتا ہے اور یہ بھی جتایا جاتا ہے کہ ہم تو فون استعمال ہی نہیں کرتے۔ شاید یہ اس لیے تاکہ فون سنتے سنتے ہم کہیں نمبر گھمانے کی جسارت نہ کر گزریں۔"

وہ کڑھتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ اپنے دل کی بات سدا دل میں رکھنے کی عادی ودیعہ اب میرے سامنے اپنا دل کھولنے لگی تھی۔ یہ میں جان گئی تھی لیکن یہ پتا نہ تھا کہ وہ اچانک میرے دل کی بھی ٹوہ لینے کی کوشش کرے گی۔

"میں سوچتی ہوں ہادیہ! تم یہاں کیسے گزارا کرو گی؟"

"کیا مطلب؟" میں چونک کے اچھل پڑی۔ اپنی دانست میں اسے اس ایشو سے بے خبر سمجھ رہی تھی۔

"یہاں سب کچھ بہت مختلف ہے، بہت زیادہ۔ امی کو تو ماموں کے آگے کچھ نظر ہی نہیں آتا۔ میں جانتی ہوں، وہ کسی نہ کسی طرح ابو کو منا لیں گی۔ میکے سے رشتہ پکا کرنے کا اس سے اچھا موقعہ کون سا ہو گا مگر تم اڑ جانا، صاف انکار کر دینا۔"

وہ مجھے پٹی پڑھانے لگی اور میں سنی ان سنی کرتے ہوئے رسالے کی ورق گردانی کرتی رہی۔ مجھے چند سیکنڈ تک

گھورتے رہنے کے بعد اس نے رسالہ میری گود سے جھپٹ کر پرے رکھا۔

"تو تم انکار نہیں کرو گی؟"

"کیا وجہ بتاؤں گی؟ اور امی کو کتنا دکھ ہو گا۔ پتہ بھی ہے کہ وہ ماموں کے بارے میں کتنی حسّاس ہیں۔"

"مجھے تو لگتا ہے، تم زیادہ حسّاس ہو۔"

"ہاں۔۔۔ تو۔۔۔ تو کیا ہوا۔" میں خجل تو ہو گئی مگر ڈھیٹ بن گئی۔ "ماموں اتنا پیار کرتے ہیں، اتنی قدر کرتے ہیں۔"

"ایک ان کے پیار کی وجہ سے تم اس رشتے پہ راضی ہو جاؤ گی؟" وہ پتا نہیں کیا سننا چاہتی تھی، میں سوچ میں پڑ گئی۔ آخر نفی میں سر ہلا دیا۔

"تو پھر اور تمہیں یہاں کیا نظر آ رہا ہے۔ ممانی ہم سے بیزار ہیں، شمائلہ، سدرہ، حاسد۔۔۔ شمیر بھائی لاتعلق سے ہیں۔" اس نے کہا۔

"نہیں، ایسی بات نہیں۔ ممانی کی عادت ہی ایسی ہے۔ ماموں بے چارے غلط نہیں ہیں۔ بے کار میں شور نہیں مچاتے رہتے۔ شمائلہ سدرہ۔۔۔ وہ ٹھیک ہی ہیں اور شہیر۔۔۔۔" یہاں میں پھر سوچ میں پڑ گئی۔

"وہ واقعی خاصا لاتعلق نظر آ رہا تھا۔ نہ صرف مجھ سے بلکہ اپنے گھر اور فیملی سے بھی۔ یوں لگتا تھا جیسے اس کی کسی سے بھی کوئی خاص جذباتی و دلی وابستگی نہ ہو۔ سنجیدگی اس کے مزاج کا حصہ ضرور تھی مگر اب بے گانگی میں بدل چکی تھی۔" میں نے بے چارگی سے ودیعہ کو دیکھا۔ میرے اندر سوال جگا کے وہ خود سو چکی تھی۔ میں آنکھیں موند کے نئے سرے سے اپنا تجزیہ کرنے لگی۔

"مجھے شہیر کی سنجیدہ مزاجی، سوبرنیس اور میچیورٹی نے متاثر کیا تھا جس کی وجہ سے میں دل ہی دل میں امی کے فیصلے کا ساتھ دینے کی تیاری کرنے لگی۔ یہاں آئی بھی صرف اس لیے تھی کہ خود کو اس گھر کے لیے ذہنی طور پہ تیار کر سکوں لیکن۔۔۔ لیکن شہیر کے مزاج کا یہ رخ۔۔۔ فطرت و عادات کے یہ انداز، یہ وہ نہیں لگ رہے تھے جو مجھے محسوس ہوئے تھے۔ یہ سوبر اور میچیور ہونا تو نہیں ہے۔ یہ کٹر اور ضدی ہونا ظاہر ہو رہا تھا جو شخص اپنے آگے کسی کو کچھ سمجھنے پہ تیار ہی نہ ہو، جو اپنے اصول دوسروں پہ تھوپ کر سمجھتا ہو کہ اس نے بڑا تیر مار لیا ہے جبکہ اس کی آنکھ کے نیچے اس کے اصول رُل رہے ہوں، جو سامنے والے کی عزّتِ نفس کا خیال کیے بغیر اپنے دل کی بات زبان تک لانے کا عادی ہو اور جو اپنے خون کے رشتوں سے، اپنے سگوں تک سے اتنا لاتعلق اور لاپروا نظر آتا ہو۔۔۔ کیا ایسا شخص میرا انتخاب ہو سکتا ہے؟"

میں نے مایوسی سے کروٹ بدل لی۔ شہیر کے بارے میں میرے سارے اندازے غلط ثابت ہو رہے تھے۔ واقعی کسی کو صحیح طرح جاننے کے لیے اس کے ساتھ کچھ وقت گزارنا ضروری ہوتا ہے اور میں نے تو اس کے ساتھ وقت بھی نہیں گزارا تھا۔ صرف اس کے گزارے جانے والے وقت کا جائزہ لیا تھا۔ اس وقت کا جو صرف اور صرف اس

کے لیے تھا، اس میں کسی دوسرے کا کوئی حصّہ نہیں تھا۔ میرے دل سے سارے لال، نیلے، پیلے، ہرے خوابوں کا رنگ ڈھل کے اتر گیا۔۔۔ رنگ کچے جو تھے۔۔۔ شکر ہے پکے ہونے سے پہلے ہی صاف ہو گئے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

"مصیبت۔۔۔ جان عذاب میں آگئی ہے۔ ابو کو توان دونوں کے سوا کچھ نظر ہی نہیں آتا۔ خاص طور پہ وہ بڑی۔۔۔ وہ مکار، ڈرامے باز۔۔۔۔"

شمائلہ کی تنفر بھری آواز پہ میں اندر جاتے جاتے رُک گئی۔ مجھے یونہی وہم سا ہوا کہ وہ میرے متعلق کہہ رہی ہے۔ میں نے اس وہم کو جھٹلانے کی کوشش کی مگر ممانی نے میری اس کوشش کو ناکام بنا دیا۔

"ماں پہ گئی ہے اور تمہارے باپ کو تو اللہ موقع دے۔ ساری عمر اپنی بہن کی مثالیں دے دے کر میرا ناک میں دم کیے رکھا۔ اب بیٹیوں کا جینا حرام کیا ہوا ہے۔ اسی پہ بس نہیں بلکہ اپنی بہن کی اس چالا کو ماسی، پھاپھا کٹنی کو ہمیشہ کے لیے ہمارے سر پہ بٹھانا چاہتے ہیں تمہارے ابو۔ ذرا سوچو، کیا حال ہو گا ہم ماں بیٹیوں کا۔ ابھی تو وہ اتنی دور الگ شہر میں بستی ہیں، اس کے باوجود میرے اور تمہارے ہر کام میں کیڑے نکال کر ان سگھڑ بی بیوں کی مثالیں دے دے کر دل جلایا جاتا ہے۔ اگر وہ بہو بن کے آگئی تو سر پہ ناچے گی اپنے ماموں کے اور ہمیں نچائے گی انگلیوں پہ۔۔۔۔"

"اللہ اس گھڑی سے بچائے۔" شمائلہ کانوں کو ہاتھ لگا رہی تھی۔ "میں تو ان سات آٹھ دِنوں میں عاجز آگئی ہوں۔"

"کھینچ کے بھی تو تم لائی تھیں اسے، اس کی پھوپھی کے گھر سے۔" سدرہ نے فوراً جتایا۔ "ورنہ امی نے کتنا سمجھایا تھا کہ اسے چھوٹے منہ بھی یہاں آنے کی صلاح نہیں مارنی اور تم گھسیٹ گھسیٹ کر لا رہی تھیں۔"

"وہ تو صورت حال ہی کچھ ایسی ہو گئی۔ امی نے ہی کہا تھا کہ جب تک وہ اپنی پھوپھی کے گھر ٹکی رہے، اچھا ہے۔ اس کی بات ابو سے مت ہونے دینا، اس لیے میں نے ہر بار اس کا فون آنے پہ ابو کی غیر موجودگی کا بہانہ بنایا اور ابو سے بھی چھپایا۔ میرا خیال تھا کہ وہ یہی سمجھتے رہیں گے کہ وہ دونوں اپنی پھوپھو کے بڑے سے بنگلے میں خوش ہیں اور یہاں آنے کی خواہش مند نہیں۔ سب کے درمیان بھانڈا پھوڑنے لگی تھی وہ ماسی مصیبتے۔ مجھے اور کچھ سمجھ میں نہ آیا تو یہی بات شروع کر دی۔ کیا پتہ تھا، وہ آنے کو تیار بیٹھی ہو گی۔ ویسے ایک فائدہ ہوا ہے اس کے آنے کا۔"

"وہ کیا؟" ان کے ساتھ ساتھ میں بھی چونکی ہوئی کہ میری لاعلمی میں ایسا کون سا فائدہ اٹھایا گیا ہے میری ذات سے۔

"شہیر بھائی کا تو تمہیں پتا ہے۔ گھر میں اتنا وقت نہیں گزارتا مگر چھنے خان بڑا بنتا ہے کہ جیسے گھر کا سربراہ وہی ہو۔" یہ الفاظ وہ اپنے بڑے بھائی کے متعلق ادا کر رہی تھی۔

"اس کے سامنے میں نے ہادیہ کی ذرا دال نہ گلنے دی۔ وہ تو بڑے جتن کرتی رہی، کبھی کھانے پکا پکا کے۔۔۔ کبھی اس کے کمرے کی صفائیاں کر کر کے۔۔۔ اور کبھی اس کے ساتھ آئس کریم کھانے کے پروگرام بنا بنا کر۔۔۔ میں نے اس کا ہر وار الٹ دیا۔ دھلے ہوئے کپڑوں میں سے ایک جینز اور ٹی شرٹ نکال کے ان کے سامنے کہہ دیا۔ "یہ ہادیہ کے کپڑے تو دے آؤں اسے۔" کبھی بھولی سی بن کے کہا۔ "شہیر بھائی! ہادیہ کے ساتھ فلاں میوزک کنسرٹ میں چلی جاؤں، وہ ضد کر رہی ہے۔" کبھی کچھ کبھی کچھ۔۔۔ اب وہ یہی سمجھتا ہے کہ ہادیہ بی بی ایک بڑی جینز شرٹ پہننے والی، موبائل پہ لڑکوں سے گپیں لگانے والی اور اکیلی سینما

جا کر فلمیں دیکھنے والی لڑکی ہے۔"

اس نے قہقہہ لگا کر اپنے کارنامے کی داد وصول کرنا چاہی اور میرا خون کھول کے رہ گیا۔ دل چاہا، لپک کے اندر جاؤں اور اس کا منہ نوچ لوں مگر تماشا بنانے سے کچھ حاصل نہ ہوتا۔

"اس لڑکے کا کچھ پتہ نہیں۔۔۔ کبھی کبھی بالکل باپ کی طرح بن جاتا ہے۔" ممانی اس کارنامہ پہ زیادہ مطمئن نہیں تھیں۔ "یاد نہیں، تمہارے ابو سے ہادیہ کا نام سن کر کیسے باچھیں پھیل گئی تھیں۔ خیر مجھے بھی ہر چیز کا توڑ کرنا آتا ہے۔ ایسے باغ دکھاؤں گی کہ ہادیہ، وادیہ سب بھول جائے گا۔ تمہارے ابو جوان بیٹے پہ زور زبردستی تو کر نہ سکیں گے۔ اونہہ۔۔۔۔ میرا دماغ خراب ہے جو اپنے پیر پہ کلہاڑی مار لوں۔ اس نند کی لڑکی لا کر جو پچھلے پچیس چھبیس سال سے جان کا وبال بنی ہوئی ہے اور لڑکی بھی وہ جو ہو بہو ماں کا پرتو ہے۔ نادیہ ہوتی تو بات بھی تھی۔ اس کے لیے بڑی جلدی مچائی ان لوگوں نے۔ تب شہیر پڑھتا تھا،

چلو آزماتے ہیں

ورنہ ایسی حوروں جیسی صورت والی لڑکی مجھے نند کے گھر سے بیاہ کر لانا پڑتی تو قبول ہوتا۔ اب بھی اگر تمہارے ابو ہادیہ کی بجائے ودیعہ کا نام لیں تو سوچا جا سکتا ہے۔ وہ اللہ میاں کی گائے۔۔۔ دبو سی لڑکی، اسے مٹھی میں کرنا آسان کام ہے مگر یہ اتھری گھوڑی۔۔۔ اس سے اللہ بچائے۔"

"کیسی باتیں کر رہی ہیں امی؟ ودیعہ۔۔۔ اور شہیر بھائی؟"

سدرہ صدمے سے چیخ اٹھی۔ "وہ بونگی ہی رہ گئی ہے ہمارے بھائی کے لیے جسے نہ بات کرنے کی تمیز۔۔۔ نہ

چلنے بیٹھنے کا سلیقہ۔۔۔ نہ شکل وصورت۔۔۔ نہ ہی کوئی اور گن۔ عجیب ایب نارمل سی لگتی ہے وہ۔"

"نہیں، اب تو بہت بدلی ہوئی لگ رہی ہے۔ خاصی ہوا لگ گئی ہے جھلی کو۔" شمائلہ نے ہنسی اڑائی۔ میرے اندر ایک بار پھر اسے بری طرح زدوکوب کرنے کی خواہش مچلی۔

"میں نے تو یونہی ایک بات کی تھی۔ نہ ہادیہ۔۔۔ نہ ودیعہ۔۔۔ تمہاری اس مکار پھوپھی کی تو ایک بھی لڑکی گھر میں نہ گھسنے دوں گی۔ ان کو تم ابھی، اسی وقت چلتا کرو۔ شہیر کو قابو کیسے کرنا ہے، وہ میں جانتی ہوں۔ وہ اپنی بات پر ڈٹ گیا تو تمہارے ابو اکیلے کیا کر لیں گے۔" بیڈ ہلکا سا چرچرایا۔ شاید ان میں سے کوئی اٹھا تھا۔ میں دبے پاؤں واپس پلٹ گئی۔

اصل میں تو میں ماموں کے پاس جا رہی تھی، اس سے یہ کہنے کہ وہ ہمیں ارسہ پھوپھو کے ہاں چھوڑ آئیں۔ یہ فیصلہ میں نے اپنی رات بھر کی کشمکش کے بعد کیا تھا۔ اگرچہ تب بھی میں کسی واضح نتیجے پہ نہ پہنچی تھی۔ میرا دل کھٹا ضرور ہو گیا تھا مگر متنفر نہیں ہوا تھا۔ جانے کا فیصلہ میں نے ودیعہ کی وجہ سے کیا تھا۔ میں نے محسوس کیا تھا کہ اس کا احساس کمتری شمائلہ اور سدرہ کو سامنے پا کے پھر سے حاوی ہونے لگتا تھا۔ اس کی جا بے جا تنقید، طنزیہ جملے اور مذاق اڑانا اسے پھر سے پیچھے کی جانب دھکیل رہے تھے اور۔۔۔ اور اب۔۔۔ اب ان سب کی باتیں اپنے کانوں سے سن لینے کے بعد میں اس بات کی بھی روادار نہیں تھی کہ یہاں سے جانے کے لیے ان میں سے کسی کی مدد طلب کرتی۔ میں ماموں کا سامنا کرنے پہ بھی تیار نہ تھی۔ میرا دل ان سے بھی شاکی تھا کیونکہ بہت یاد کرنے پہ بھی مجھے اپنی کوئی ایسی غلطی یاد نہیں آ رہی تھی جس کی وجہ سے میں ان لوگوں کے

عتاب کا نشانہ بنتی۔ یہ شاید ماموں کی جانب دارانہ محبت تھی۔ بیوی کی مخالفت میں یا اس کی ضد میں کی جانے
والی

ہماری تعریفوں کا نتیجہ تھا کہ ان کے دلوں میں ہمارے لیے نفرتیں ہی نفرتیں تھیں۔
میں نے الوینہ کو فون کیا' اس سے ڈرائیور بھیجنے کا کہا تھا مگر آدھے گھنٹے کے اندر اندر وہ خود ہمیں لینے آگئی۔
اس کے ہارن بجانے پہ ہی میں نے اپنے جانے کی اطلاع دی۔ وہ تینوں شاید اب تک ہمیں بھگانے کی سازشوں
میں مصروف تھیں' اس اچانک اطلاع پر بوکھلا کے رہ گئیں۔ اس بوکھلاہٹ میں انہیں ہمارے منظر سے
غائب ہونے پہ خوش ہونا تک یاد نہ رہا۔ ماموں وجہ ہی پوچھتے رہ گئے۔ میں نے چپ سادھے رکھی پھر ممانی نے
شاید موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ان کے کان میں انڈیلا۔
"بس بھی کیجیے' آپ ہادیہ' ہادیہ کر رہے ہیں اور بھانجی صاحبہ نکلنے کے چکر میں ہیں۔ کبھی تو سمجھ جایا کریں۔
بھئی نہیں ہے دل بچی کا۔۔۔ اپنی پھوپھو کے گھر زیادہ خوش ہو گی' جانے دیں۔۔۔ ظاہر ہے جو عیش و آرام
وہاں۔۔۔ وہ ہمارے غریب خانے پہ کہاں؟ اب خالی خولی محبتوں پر اترانے والے زمانے گئے شہیر کے ابو۔۔
۔!"
میں نے ان کے شر انگیز بیاں کی تردید تک کرنا ضروری نہیں سمجھا۔ البتہ اس بات پہ ماموں کا بجھتا ہوا چہرہ
مجھے دکھی کر گیا۔ اس کے بعد انہوں نے نہ مجھے روکنے کی لیے اصرار کیا نہ اچانک جانے کی وجہ دریافت کی۔
یعنی وہ ممانی کی بات پہ یقین کر بیٹھے۔ میں کیوں صفائی پیش کرتی۔۔۔ کس لیے کرتی۔۔۔ اور آخر کب تک

کرتی۔
"اچھا ہوا ہادیہ! جو تم یہاں سے نکل آئیں اور اس خود فریبی سے بھی۔۔۔ ورنہ باقی ساری عمر صفائیاں پیش
کرتے ہی گزر جاتی۔"
میں نے اپنے اس بروقت اقدام پہ خود کو شاباشی دی۔
****
نہ الوینہ نے مجھ سے کوئی سوال کیا نہ پھوپھو نے اس اچانک اور ہنگامی واپسی کی وجہ دریافت کی۔ حالانکہ میری
شکل پہ ضرور کچھ ایسا ہو گا کہ کم از کم الوینہ سے تو ضرور مجھے کسی تفتیش کی توقع تھی لیکن وہ نارمل انداز میں
ودیعہ کے ساتھ ادھر ادھر کی باتیں کرتی رہی۔
باقی کے چند دن میں نے سکون سے گزارنے کی پوری پوری کوشش کی۔ یہ کوشش کچھ یوں بھی بار آور رہی
کہ ماموں کے ہاں سے کسی کا نہ تو فون آیا نہ ہی وہ خود۔۔۔ میں

وہاں گزارے آٹھ نو دن اور خصوصاً واپسی سے کچھ پہلے سنی ان کی زہریلی باتیں بھلانے میں مصروف تھی۔

امی ابو خیریت کے ساتھ واپس لوٹے تو گھر پہنچ کر میں نے سکون کا سانس لیا۔
"کتنی عجیب سی بات ہے۔ یہ وہی گھر ہے جہاں میں کبھی کبھی سخت تنگ آ جایا کرتی تھی۔ نہ کہیں آنا نہ کہیں
جانا' کوئی ملنا ملانا بھی نہیں' ایک سی روٹین۔۔۔ وہی کالج۔ وہی گھر۔۔۔ وہی در و دیوار۔ وہی کمرہ اور وہی
اس کی سیٹنگ۔ کتنی اکتاہٹ ہوتی تھی کبھی کبھار۔ دل چاہتا تھا کہیں اور نکلا جائے اور پھر قسمت سے جب ایسا

موقع ملا تو یہی گھر، یہی کمرہ اور یہی اس کی برسوں پرانی ترتیب اور آرائش کس بری طرح یاد آتی رہی۔پرائے تکیوں پہ سر پٹختے ہوئے اپنے مخصوص تکیے کا گداز اور مہک یاد آتی رہی۔آج کتنا سکون مل رہا ہے یہاں۔ترس کے رہ گئی تھی اس اپنے پن کے احساس کے لیے۔"

میں اپنے بستر کی چادر پہ ہاتھ پھیرتے ہوئے سیرابی محسوس کرتی رہی۔دروازے پہ آہٹ ہونے پر میں نے سر اٹھا کے دیکھا۔امی اندر آرہی تھیں۔میں سنبھل کے بیٹھ گئی۔دو دن تک تو مبارک باد دینے کے لیے آنے والوں کا تانتا بندھا رہا۔آج ہی موقع ملا تھا امی کو۔

"اب تیار ہو جاؤ لمبے چوڑے سوالوں کے اتنے ہی لمبے چوڑے جواب دینے کے لیے کیونکہ امی محض ہاں ہوں یا ٹالنے والے جواب سے مطمئن ہونے والی نہیں"

"کیسا ذرا سا منہ نکل آیا ہے۔وہ میری ٹھوڑی ہاتھ میں لے کر تشویش سے کہنے لگیں، کچھ کھاتی پیتی نہیں رہی کیا؟"

"ایسی بات نہیں امی! بس آپ کو، ابو کو اور اپنے گھر کو بہت مس کر رہی تھی۔"میں نے انکی گود میں سر گھسا لیا۔

"یہ بتاؤ، ماموں کے ہاں سے اتنی جلدی کیوں بھاگ لیں؟"

"جس نے آپ کو یہ بتایا ہے، کیا اس نے یہ نہیں بتایا کہ میں وہاں گئی بھی وقت سے پہلے تھی۔کیا کروں۔۔۔ کہیں دل نہیں لگ رہا تھا، نہ پھوپھو کے یہاں، نہ ہی ماموں کی طرف۔"

"ماموں کی طرف کیوں نہیں، کب سے ضد لگا رکھی تھی کہ اب کے گئی تو زیادہ دن رہنے جاؤں گی۔بچپن میں تو

ہفتوں رہنے کے بعد بھی واپس آنے پہ مشکل سے تیار ہوتی تھیں تم۔"

اب میں انہیں کیا بتاتی کہ بچپن کی بات اور تھی، تب بہلنے کے لیے بہت سی باتیں ہوتی ہیں، دل لگانے کے سو بہانے مل جاتے ہیں۔ماموں کا لاڈ اتنا پیار خوش کر دیتا تھا کہ اس پر ممانی کے چہرے کے بگڑے زاویے اور شمائلہ اور سدرہ کی خفگی کی جانب دھیان ہی نہیں جاتا تھا۔

"ہاں دل تو کرتا تھا مگر آپ کے بغیر نہیں۔"میں نے بہانہ بنا کر انہیں مطمئن کرنا چاہا۔شاید وہ ہو بھی گئیں مگر اگلے ہی روز ماموں اور ممانی کی آمد ان کا سارا اطمینان غارت کر گئی۔

****

"کیا کہہ رہے ہیں آپ شہاب بھائی جان؟"امی کی غیر معمولی آواز پہ ڈائننگ ٹیبل پر برتن سیٹ کرتے ہوئے میرے ہاتھ رک گئے۔مجھے امی کی آواز سے چھلکتی بے اعتباری۔۔۔دکھ۔۔۔تاسف سے کسی انہونی کا اندیشہ ہوا۔ابھی کچھ دیر قبل تک وہ کتنی خوش تھیں۔بار بار کچن میں آتیں۔نئی ہدایتوں کے اضافے کے ساتھ۔

"آلو گوشت کا شوربہ اچھا سا بنانا، شہاب بھائی جان چاولوں کے ساتھ شوربے والا سالن کھانا پسند کرتے ہیں۔"

"دیکھنا، پلاؤ میں ثابت گرم مسالا نہ رہ جائے۔یخنی میں پوٹلی بنا کر ڈالنا۔بھائی جان کو پسند نہیں کہ چاولوں میں

لونگ، دار چینی وغیرہ نظر آئے۔"

"کسٹرڈ کے اوپر جیلی، بنانا کا فلیور ڈالنا۔ کیا پتہ شہیر بھی ساتھ ہو۔ یہ اس کا پسندیدہ فلیور ہے۔"

کبھی وہ آتے جاتے ابو کو سنانے لگتیں۔

"دیکھا میرے بھائی جان کو۔ حالانکہ ایر پورٹ پہ بھی لینے آئے تھے مگر اب تیسرے ہی دن گھر آرہے ہیں۔ ہاں بھئی، رسم ورواج بھی کوئی چیز ہے۔ بعض لوگ تو سب کچھ بھلائے بیٹھے ہیں، پیسے کے خمار میں۔" یہ چوٹ پھوپھو پہ کی جاتی۔

ایسا پہلی بار نہیں تھا۔ ہر بار ماموں کی آمد پہ وہ ایسی ہی پرجوش ہوتیں۔ عموماً وہ عید شب برات پہ تحائف دینے آتے یا ہم میں سے کسی کے پاس ہونے کی مبارک باد دینے یا کسی کی عیادت کرنے تو کبھی خالی ہاتھ نہ آتے اور امی ان

تحائف کو اترا اترا کے دکھایا کرتیں۔

"نجانے اس بار ان کے پاس کیا ہے امی کے لیے جو ان کو خوش اور مغرور کرنے کی بجائے ان کے پیروں تلے کی زمین کھینچ رہا ہے۔"

میں نے تاثرات جانچنے کے لیے ڈرائنگ روم اور ڈائننگ کے درمیان والا مہین سا پردہ ذرا سا سرکا کے دیکھا۔ امی ہکابکا سی بیٹھی ماموں کو بے یقینی سے تک رہی تھیں۔ نادیہ ان کے بالکل ساتھ بیٹھی ان کا ہاتھ تسلی دینے

کے سے انداز میں تھامے ہوئے تھی۔ ایک دکھ بھری حیرت اس کے چہرے پہ بھی رقم تھی۔ ابو بالکل سپاٹ چہرہ لیے وال کلاک کی جانب دیکھ رہے تھے جیسے یہاں رونما ہوئے اس تازہ ترین واقعے سے نہ تو ان کا کوئی تعلق ہو نہ ہی ان کی کوئی دلچسپی۔ ماموں کا سر جھکا ہوا تھا۔ وہ بے چینی سے اپنے ہاتھوں کی انگلیاں مسل رہے تھے۔ ان کے ساتھ بیٹھی ممانی اپنی چھوٹی چھوٹی گول۔۔۔ تیز سی آنکھیں گھما گھما کے سب کے رد عمل کو جانچ رہی تھیں۔ شمائلہ کی شکل سے ہی لگ رہا تھا جیسے وہ اس صورت حال سے خوب لطف اٹھا رہی ہو۔ اسے دیکھتے ہی میرے اندر اسے پیٹ ڈالنے کی جو خواہش اچانک بیدار ہوتی تھی، وہ پھر انگڑائیاں لینے لگی۔

"یہ آپ۔۔۔ آپ نے۔۔۔" امی کو اپنے سوال کا کوئی جواب نہ ملا تو کافی دیر کے انتظار کے بعد انہوں نے اسے دہرانے کی کوشش کی مگر کر نہ سکیں۔ مدد طلب نگاہوں سے انہوں نے نادیہ اور ابو کو باری باری دیکھا۔

ابو نے نظریں چرا لیں اور نادیہ نے جھکا لیں۔

"میری تو بہت خواہش تھی لیکن آج کل کے بچے۔۔۔" ماموں کا سر اور نظریں تو پہلے سے جھکے ہوئے تھے، آواز بھی پست تھی۔

"تو میاں! بچوں سے ان کی مرضی معلوم کر کے اتنی بڑی بات منہ سے نکالنا چاہیے تھی۔" بالآخر ابو نے اس بحث میں حصہ لے ہی لیا۔ امی کا پھیکا پڑتا رنگ جوش سے بحال ہوتا نظر آیا۔

"میں سمجھتا تھا کہ۔۔۔" ابو کو جواب دہی کرتے ہوئے وہ اور بھی مجبور نظر آرہے تھے۔ "ہاں یہ میری غلطی تھی بھائی صاحب!" انہوں نے شرمندگی سے اپنی کوتاہی تسلیم کی۔ "آپ اصل بات بتائیں نا!" ممانی نے انہیں ٹہوکا دیتے ہوئے خاصی بلند سرگوشی کی۔ وہ گھور کے انہیں

دیکھنے لگے۔ جیسے مزید بولنے سے باز رکھنا چاہ رہے ہوں لیکن آج ممانی کے تیور ہی اور لگ رہے تھے' ماموں کی کسی دھمکی یا تنبیہہ کو خاطر میں لانے کے موڈ میں نظر نہیں آ رہی تھیں۔

"دیکھیں باجی جی! شہیر ذرا الگ مزاج کا لڑکا ہے اور ہے بھی اکلوتا اکلوتا۔۔۔ پھر سب سے بڑا بھی ہے۔ ہم نے اس کی باتوں کو اہمیت دے دے کر اسے اس بات کا عادی بنا دیا ہے۔ اب ہم چاہیں بھی تو اس کے ساتھ زور زبردستی کر کے اسے مجبور نہیں کر سکتے۔ ویسے بھی یہ تو آپ کی بیٹی کے ساتھ بھی زیادتی ہو گی۔ آخر ہادیہ ہماری بھی کچھ لگتی ہے۔ اسے جبراً شہیر کے سر منڈھ کے ہم اپنے اور آپ کے تعلقات بھی خراب نہیں کرنا چاہتے نہ اس بچی کی زندگی خراب کرنا چاہتے ہیں۔"

میرے سینے سے ایک گہری سانس آزاد ہوئی۔ میں یہ معاملہ سمجھ تو رہی تھی مگر عقل تسلیم نہیں کر رہی تھی کہ ماموں اتنی جلدی اور اتنا بے دھڑک ہو کے یہ قدم اٹھالیں گے اور وہ بھی خاص طور پہ گھر آ کے۔

"اصل بات تو یہ ہے کہ شہیر کو ہادیہ کی عادات۔۔۔ میرا مطلب ہے اس کا مزاج میل نہیں کھاتا اس سے۔ آج کل کے بچوں کو موئی انڈر اسٹینڈنگ کا بخار چڑھا رہتا ہے' ورنہ ہادیہ میں کس بات کی کمی ہے۔ وہ کہتا ہے کہ ایک ہفتے میں ہی وہ جان گیا ہے کہ یہ لڑکی اس کے ساتھ گزارا نہیں کر سکے گی۔"

"خاموش رہو فرزانہ!" ماموں نے گھرکا مگر آج شاید وہ صاف گوئی بلکہ سفاکی کے ریکارڈ قائم کرنے کے ارادے سے آئی تھیں۔ میرا خون کھولنے لگا۔ پردہ چھوڑ کے میں ڈائننگ ٹیبل کی چیر پہ دونوں ہاتھوں میں سر گرا کر بیٹھ گئی۔

مجھے دکھ تھا۔۔۔ ضرور تھا مگر اس رشتے کے ٹوٹنے پہ نہیں جو ابھی بنا ہی نہیں تھا بلکہ اس انداز میں ٹوٹنے پہ دکھ محسوس ہو رہا تھا۔ میں نے سوچ رکھا تھا کہ جب امی مجھ سے رائے طلب کریں گی تو میں صاف انکار کر دوں گی ۔ دراصل مجھے نہیں لگتا تھا کہ ممانی' ماموں کو اس ارادے سے باز رکھنے میں کامیاب ہو پائیں گی اور اگر شہیر پہ ان کی سازش اثر کر گئی' اس ضد کے آگے ماموں نے گھٹنے ٹیک بھی دیے تب بھی وہ امی کے سامنے اس کا اظہار کرنے سے ہچکچائیں گے۔ زیادہ سے زیادہ یہی ہو گا کہ وہ ایک لمبی چپ سادھ لیں گے یا خاموشی سے شہیر کا رشتہ

کسی اور جگہ طے کر دیں گے' تب شاید امی کو اتنا دکھ نہ ہوتا جتنا اب ہو رہا ہے۔ وہ میرا رشتہ طے ہوتے ہوتے ختم ہو جانے پہ اتنی افسردہ نہیں جتنی ملول وہ ماموں پہ اپنے اعتبار کے ٹوٹنے پہ تھیں۔

مجھے خود یقین نہیں آ رہا تھا کہ جب یہ سب آسان طریقے موجود تھے تو ماموں کو یہاں تک آ کے بطور خاص یہ کہنے کی ضرورت کیا تھی کہ وہ اپنی خواہش سے دست بردار ہو چکے ہیں۔۔۔ کیا اس کا اہتمام صرف میری تذلیل کے لیے کیا گیا ہے' مجھے یہ جتانے کے لیے کہ شہیر نے مجھے رد کیا ہے۔۔۔ ناپسند کیا ہے۔۔۔ اس کی

وجہ بھی فوراً سامنے آگئی۔

"اب اس نے الوینہ کا نام لیا تو ہمیں راضی ہونا ہی پڑا۔ اس سے ہمارے رشتے پہ تو کوئی اثر نہیں پڑنا چاہیئے۔
دیکھو' تمہارے بھائی اب بھی تمہارے ہی پاس آئے ہیں کہ شہیر تمہارا بھتیجا ہے اور ارسہ بیگم تمہاری نند۔۔
۔ہم تو تمہارے حوالے سے ہی رشتہ طلب کرنے جائیں گے بلکہ تم ساتھ ہو گی تو زیادہ مان بڑھے گا ہمارا۔
تمہارے بھائی جان کو بھی تسلی ہو گی کہ ان کی چہیتی بہن ان سے خفا نہیں ہے۔"

ہمیشہ ماموں بولتے آتے تھے اور ممانی سر ہلاتی۔۔۔ آج وہ بول رہی تھیں اور ماموں کا سر تک نہ ہل رہا تھا۔

"پھر میں کیا امید رکھوں بھائی صاحب؟" ماموں ضرور اندر ہی اندر اتنے شرمندہ تھے کہ انہوں نے امی کو
مخاطب تک کرنے کی جسارت نہ کی اور ابو سے پوچھنے لگے۔

"میں چاہتا ہوں' آپ ہمارے ساتھ سوالی بن کر ساتھ چلیں۔"

"دیکھو شہاب! یہ معاملے بہت نازک ہوتے ہیں۔ ارسہ میری بہن ہے۔۔۔ اس کی بیٹی کے رشتے میں' میں
اس طرح ملوث نہیں ہونا چاہتا۔ بے شک شہیر میرے سامنے پلا بڑھا بچہ ہے۔ مگر تم باپ ہو کے اس کی
ضمانت نہ دے سکے۔۔۔ میں سر دست اتنا کر سکتا ہوں کہ ارسہ کو فون کر کے تمہارا مدعا پہنچا دیتا ہوں۔ اگر وہ
مدعو کرے تو تم لوگ اپنے طور ہو آنا۔ اگر اس نے مجھ سے رائے طلب بھی کی تب بھی میں غیر جانب دار
رہوں گا' یہ تو حتمی بات ہے۔"

ان کے صاف جواب پہ امی نے بھی خاموش تائید کی۔

"الوینہ۔۔۔ تو یہ ہے تمہارا انتخاب۔۔ یا پھر ممانی کی پسند۔ خیر۔۔ جس کا بھی یہ فیصلہ ہے' اس کے دروغ و
منافقت کا منہ بولتا ثبوت ہے۔" مجھے شہیر کے فرمودات

یاد آنے لگے۔ جس لڑکی کی صحبت سے دور رہنے کا مشورہ وہ مجھے دیتا تھا' اس کے عمر بھر کے ساتھ کا خواہش
مند کیسے ہو گیا؟"

اور ممانی۔۔۔ ان کا توبہ توبہ کر کے کانوں کا ہاتھ لگانا۔۔۔۔

"بچاری۔۔۔ ایک تو اپاہج۔۔ دوسرا چہرہ داغ دار۔۔ کون بیاہنے آئے گا بچاری کو۔ تمہاری پھوپھی کی قسمت
خراب ہے۔ ساری عمر بن بیاہی بیٹی کا دیکھ جھلینا ہو گا۔"

اور اسی اپاہج اور داغ داغ چہرے کی طلب گار تھیں۔

مجھے الوینہ سے نہ حسد محسوس ہو رہا تھا' نہ رقابت۔ نہ رشک اور نہ ہی ترس آ رہا تھا بلکہ مجھے تو ممانی سے
ہمدردی ہو رہی تھی' ان کے ساتھ متوقع پیش آنے والے سانحے کی۔ میں جانتی تھی کہ ارسہ پھوپھو کا جواب
کیا ہو گا۔

****

"سب اس کی غلطی ہے۔" امی پالک کے پتے نوچنے کے ساتھ ساتھ میری کھنچائی بھی کر رہی تھیں۔ میں نے سر اور بھی سلائی مشین پر جھکا لیا اور زیادہ انہماک کے ساتھ قمیض سینے لگی۔

"اس کا کیا قصور ہے اسے تو کچھ پتہ بھی نہیں تھا۔ آپ خواہ مخواہ اب ماموں کا غصہ اس پہ مت نکالیں۔" نادیہ نے میری سائیڈ لینا چاہی۔

"بچی نہیں ہے یہ جو کچھ نہیں جانتی۔ اسی گھر میں رہتی تھی۔" آخر وہ ماں تھیں' میرے راز سے واقف۔

"کیا ضرورت تھی اسے اپنی پھوپھی کے گھر سالگرہ پہ ان کو بلانے کی۔ اس نے خود سامنا کرایا شہیر کا الوینہ سے اور وہ دیکھو۔۔۔ ابھی نہ شکل نہ صورت' سو عیب ذات کو چمٹے ہیں' اس پہ یہ طرہ ہے کہ اچھا بھلا لڑکا ہتھیا لیا۔ اگر کہیں کی حور پری ہوتی' زمانے میں وخت ڈالتی پھرتی۔"

"الوینہ نے کچھ نہیں کیا امی!" میں چپ نہ رہ سکی۔ "یہ شہیر کا یک طرفہ فیصلہ ہو گیا پھر ہو سکتا ہے ہے کہ سراسر ممانی کی پسند ہو۔"

ہاں فرازنہ نے اپنی اوقات آخر کار دکھا ہی دی۔ چھوٹے گھرانے کی کم ظرف عورت' دولت پہ ریجھ گئی۔ پیسہ دیکھ کر اکلوتا بیٹا قربان کرنے لگی ہے لنگڑی بہو لا کر۔ ساری عمر یہ میرے بھائی کو مجھ سے الگ کرنے کی کوشش میں لگی رہی' آخر آج کامیاب ہو ہی گئی۔" وہ رونے

لگیں۔ مجھے اپنا کام روکنا ہی پڑا۔

"کس نے کہا کہ ماموں آپ سے الگ ہو گئے ہیں۔ آپ اتنی چھوٹی سے بات پہ کیوں خون کا رشتہ ختم کرنے کے درپے ہیں۔"

"چھوٹی سی بات؟" یہ چھوٹی سی بات ہے۔ ارے میں کیا پیر پڑی تھی اپنے بھائی کے کہ میرے بیٹی لے لو۔ میری اولاد مجھ پر بھاری نہیں۔ یہ وقت ان پہ آتا ہے جن کی اولاد میں عیب ہو۔ کوئی کمی ہو۔۔۔۔ وہ آگے آگے کرتے ہیں اپنی بیٹیاں۔"

اس رقت آمیز کیفیت میں بھی وہ پھوپھو پہ طعنے کسنے سے باز نہ آ رہی تھیں۔ مجھے بیک وقت ان کی حالت پہ ترس بھی آ رہا تھا اور ان کے خیالات
سے کوفت بھی محسوس ہو رہی تھی۔

"خود ہی آ کر کان میں یہ بات ڈالی کہ نادیہ تو ہماری ہے۔ میں بے وقوف تمہارے ابو سے بھی کہہ بیٹھی۔ اب کتنی سبکی ہوئی ہے میری ان کے سامنے۔۔۔ کہ بڑا اپنے میکے پہ اتراتی تھی' بھائی جان بھائی جان کہتی تھی۔ یہ کرتوت دھرے ہیں تمہارے میکے والوں نے۔ ابھی تک تمہارے ابو خاموش ہیں مگر اس خاموشی میں کتنی مار ہے' یہ صرف میرا دل جانتا ہے۔ وہ الزام تو صرف مجھے دیں گے یا پھر بھائی جان کو۔ جس کا یہ سارا کیا دھرا ہے' وہ فائدے میں رہے گی۔"

"کون۔۔۔ ممانی جان؟" نادیہ نے پوچھا۔

"نہیں' تمہاری پھوپھو جان۔" امی نے چبا چبا کر کہا۔

"ساری چال ارسہ کی ہے۔ وہ اپنی بیٹی کے لیے پیسہ دکھا کر۔۔۔ یا چال چل کر ہی بر ڈھونڈ سکتی تھی لیکن دنیا میں لڑکوں کی کمی تو نہیں۔ بہت مل جائیں گے پیسے پہ ریجھنے والے لالچی' حریص۔۔۔ کم از کم بھائی کی بیٹی کو تو بخشا ہوتا۔ اس کے حق پہ توڑا کا نہ ڈالا ہوتا۔"

"یہ بات آپ اپنے لیے بھی تو کہہ سکتی ہیں کہ دنیا میں اچھے لڑکوں کی کمی تو نہیں ان شاءاللہ ہادیہ کے لیے بہت بہتر رشتہ مل جائے گا۔ جن لوگوں کو لالچی اور حریص کہہ رہی ہیں' ان سے چھٹکارا ملنے پہ خوش ہونا چاہیے نہ کہ دکھی۔" نادیہ نے سمجھانا چاہا۔

"ارے کم عقل! دکھی تو میں اپنے نصیبوں پہ ہوں۔ ایک تمہارے ابو ہیں۔ روز اول سے اپنی بہن کی مٹھی میں۔۔۔ وہ سات سمندر پار بیٹھی یہ گھر چلاتی رہی اور ایک"

میرا بھائی ہے' کیسے بیوی کی باتوں میں آکر میرا مان توڑ گیا۔ مجھے بھی فرزانہ والے گن آتے ہوتے تو آج بھی میرا میکے پہ راج ہوتا۔"

میرا سر چکرانے لگا۔ مجھے ایسا لگا جیسے میرے سامنے امی نہیں ممانی بیٹھی ہوں۔ کبھی مجھے امی' پھوپھو جیسی لگتیں۔

اور یہ سچ بھی تھا۔ جب جب وہ ایک بہن بن کر بات کرتی' پھوپھو کی جگہ نظر آتیں۔ جیسے وہ ماموں کی اکلوتی اور چہیتی بہن تھیں' ایسے ہی ارسہ پھوپھو' ابو کو عزیز تھیں۔ جیسے انہیں ابو اور پھوپھو کی محبت ایک آنکھ نہ

بھاتی تھی۔ ایسے ہی ممانی کو ان کے اور ماموں کے رشتے کی مضبوطی خطرناک لگا کرتی تھی اور جب جب وہ ایک بیوی بن کے سامنے آتیں' مجھے ان کے چہرے کے خدوخال ممانی کے نقوش میں بدلتے نظر آتے۔ انہیں بھی ابو کی زبانی بہن کی تعریفیں سن کر زہر چڑھتا تھا' انہیں بھی اپنی ہر بات کا موازنہ اپنی نند سے کیا جانا سخت برا لگتا تھا۔

"اب سر پکڑ کر کیوں بیٹھی ہو؟" انہوں نے دوبارہ میری خبر لینی شروع کی۔

"پتہ نہیں وہاں کیا کیا کرتی رہی ہو جو شہیر کو موقع مل گیا یہ کہنے کا کہ اس لڑکی کا میرے ساتھ گزارا نہیں ہونے والا۔"

"امی۔۔۔؟" مجھے اتنا دکھ ہوا اس بات سے کہ میں ان کے سامنے اونچی آواز میں کہہ بیٹھی۔ کہہ دینے کے بعد شاید انہیں بھی احساس ہو گیا کہ وہ کتنی سخت بات کہہ گئی تھیں۔

"میرا مطلب ہے کہ تمہیں احتیاط سے رہنا چاہیے تھا۔ یہ شرارتیں' اچھل کود' لاڈ اور مذاق وغیرہ اپنے گھر میں اچھے لگتے ہیں۔ اپنے باپ کے گھر میں۔"

"آپ نے مجھے اپنے باپ کے گھر میں کب اچھل کود اور شرارتیں کرتے دیکھ لیا؟" میں اتنا برا مان گئی کہ باقاعدہ بدتمیزی پہ اتر آئی۔

"یہ تو میں بھی کہوں گا' ہادیہ ایک انتہائی ذمہ دار اور سمجھ دار لڑکی ہے۔ وہ کوئی بے احتیاطی کر ہی نہیں سکتی۔" امتیاز بھائی جو کافی دیر سے بیٹھے گنڈیریاں چوس رہے تھے' کہہ اٹھے۔ یہ خاصی حیران کن بات تھی۔ انہیں

کسی قسم کی سنجیدہ اور گھمبیر گفتگو میں اس سے قبل حصہ لیتے نہیں دیکھا گیا تھا اور خاص طور پہ تب جب وہ کچھ کھانے

میں مصروف ہوں۔ چاہے وہ چیز گنڈیری یا مونگ پھلی جیسی فضول اور بے کار چیز ہی کیوں نہ ہو۔ وہ کھانے کے دوران اپنا دھیان بانٹنے کے حق میں نہیں تھے اور اب بھی امتیاز بھائی گنڈیریاں ایک طرف کیے پوری سنجیدگی سے میرے حق میں گواہی دے رہے تھے۔

"آپ ماں ہیں، مجھ سے زیادہ بہتر جانتی ہوں گی ہادیہ کو۔۔۔ ابھی آپ کو صرف ماموں جان کی حرکت کا غصہ ہے لیکن اسے بچاری ہادیہ پہ تو مت نکالیں۔"

مجھے اپنے لیے لفظ "بچاری" استعمال کرنے پہ ہمیشہ ہی اعتراض ہوتا تھا لیکن اس بار یہ ناپسندیدہ لقب بھی مجھے شیرے میں ڈوبا ہوا لگا۔ میں شکر گزار نظروں سے انہیں دیکھنے لگی۔

"میرا خیال ہے وہ لوگ اس قابل ہی نہیں بلکہ وہ تو الوینہ کے قابل بھی نہیں ہوں گے۔ حالانکہ میں آپ کی نند صاحبہ سے ایک ہی بار ملا ہوں مگر وہ اچھی خاصی معقول خاتون ہیں۔ بندے کو پرکھنے کی صلاحیت رکھتی ہیں۔ میرا نہیں خیال کہ وہ ماموں جان کو کوئی مثبت جواب دیں گی۔"

مجھے حیرت ہوئی کہ وہ بھی ارسہ پھوپھو کے بارے میں اتنی اچھی رائے رکھتے ہیں جتنی کہ وہ ان کے بارے میں۔ اسے کہتے ہیں دل کو دل سے راہ ہونا یا شاید چاہ ہونا۔

"رہنے دو میاں!" امی نے ہاتھ ہلا کر کہا۔ "تم کیا اور تمہارے خیال کیا۔" یہ فقرہ انہوں نے بڑبڑاتے ہوئے

بس اس قدر آواز میں کہا تھا جو میرے اور نادیہ تک پہنچ پائی۔ نادیہ نے تڑپ کے انہیں دیکھا اور ناراضی کے اظہار کے طور پر فوراً اٹھ کھڑی ہوئی۔

"میں پیکنگ کرنے جا رہی ہوں۔ ہمیں شام کو نکلنا ہے۔"

"ابو جان کو تو آنے دو۔ وہ اصل بات تو رہ ہی گئی جو ہمیں کرنا تھی۔" امتیاز بھائی نے سخت سسپنس پھیلا دیا۔ اب مجھ سمیت امی کو بھی ابو کے آنے کا انتظار تھا کہ دیکھو، امتیاز میاں اپنے تھیلے سے کون سی بلی باہر نکالتے ہیں۔

اور ابو آئے تو ان کے تھیلے میں سب سے بڑی بلی تھی۔ "ارسہ نے صاف کہہ دیا ہے کہ ان لوگوں کو منع کردیں، وہ یہاں آنے کی زحمت نہ کریں۔"

سوائے میرے اور ودیعہ کے باقی سب حیران تھے۔ ودیعہ آرام سے ٹی وی دیکھتی رہی اور میرا سر ایک بار پھر سلائی

مشین پر جھک گیا۔

"الوینہ کے لیے دو تین اچھے رشتے آئے ہوئے ہیں۔ تفصیل بتائی ہے مجھے ارسہ نے اور ان کے آگے یہ شہیر میاں بھلا کیا بیچتے ہیں۔ ویسے بھی ارسہ میری بہن ہے۔۔۔ میری بہن۔۔۔ وہ جانتی ہے کہ وہ لوگ ہادیہ کو رد کرنے کے بعد اس کی جانب آرہے ہیں۔ اگر الوینہ کی بات کہیں اور نہ بھی چل رہی ہوتی تب بھی وہ صرف اور صرف میرے احساسات کی پروا کرتے ہوئے انہیں انکار کر دیتی۔"

وہ گردن اکڑا کے کہہ رہے تھے۔۔۔ عجیب بات ہے کہ جیسے کچھ دیر قبل مجھے امی اور ممانی کے چہرے گڈ مڈ ہوتے نظر آرہے تھے' ویسے ابو میں بھی ماموں کا عکس جھلکنے لگا۔

"اور ہاں۔۔۔ اس نے الوینہ کے ساتھ ساتھ حسن کے بارے میں بھی سوچا ہے۔" اتنا کہہ کے وہ رکے' ادھر ادھر دیکھا۔

"یہ تم کیا ہر وقت ٹی وی کے سامنے چپکی رہتی ہو۔ چلو جا کر پڑھائی کرو اور تمہیں بھی سلائی مشین رکھنے کے لیے پورے گھر میں یہی جگہ ملتی ہے۔ اٹھاؤ اس پھیلاوے کو۔"

ودیعہ کو اٹھانے کے ساتھ ساتھ انہوں نے مجھے بھی منظر سے غائب کرنا چاہا اور ایسا عموماً تب ہوتا تھا جب۔۔۔ میرے ذہن میں خطرے کی گھنٹی بجنے لگتی۔ دوسرں کی باتیں سننے کا مجھے خاص چسکہ نہ تھا' خصوصاً بزرگوں کی لیکن اگر یہ باتیں ہمارے متعلق ہو رہی ہوں تو باخبر رہنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ یہ سوچ کر میں نے ودیعہ کو اشارہ کیا۔ وہ بزدل کانوں کو ہاتھ لگاتی اپنے کمرے میں بھاگ گئی۔

"خالہ آپ بھی۔۔۔" عمر نے مجھے دیکھ کر اپنے دیدے مٹکائے۔ وہ پہلے ڈائننگ روم کے پردہ کے قریب آلتی پالتی مار کے بیٹھا تھا۔

"تم ادھر کیا کر رہے ہو؟" میں نے سرگوشی میں ڈانٹا۔

"وہی جو آپ کرنے آئی ہیں۔" اس نے جوابی سرگوشی کی۔ "مجھے تو ڈانٹتی رہتی ہیں۔"

"ہشت۔۔۔ چپ۔۔" میں نے کان دوسری جانب لگائے۔

"حسن میں کیا برائی ہے؟" یہ سوال ابو کر رہے تھے۔

"اچھائی کیا ہے؟" امی نے تڑپ کے سوال کیا۔ "لونڈا لپاڑا سا ہے۔ ابھی تک آدھی پتلون میں پھرتا ہے' پھٹ پھٹی دوڑائے پھرتا ہے۔ بس ایک انگوٹھا چوسنے کی کسر رہ جاتی ہے۔ حیرت ہے ارسہ کو اس کی شادی کا خیال آیا کیسے؟"

"تم ہمیشہ بے تکی رائے قائم کرتی ہو۔ جانتی کیا ہو تم حسن کے بارے میں۔ ایسی ڈگریاں لے کر لوٹا ہے۔ جن کے نام سے بھی تم ناواقف ہو گی۔ اپنے باپ کے کاروبار میں شامل ہو رہا ہے۔ اچھا بھلا ذہین' ہوشیار اور زمانے کے ساتھ چلنے والا لڑکا ہے۔ ہاں بس ذرا کھلنڈرا مزاج رکھتا ہے۔ عمر ہی کیا ہے ابھی' الوینہ سے چھوٹا ہے۔ یہی کوئی تئیس چوبیس کا ہو گا۔ آہستہ آہستہ سنجیدگی بھی آجائے گی۔"

"اپنی لڑکی سے پوچھ کے دیکھو۔ اس میں تو سنجیدگی کیا بزرگی بھی آچکی اور وہ بھی کئی سال پہلے۔ ہادیہ خود بھی تئیس سال کی ہونے والی ہے۔ مجھے تو یہ ہم عمری والے جوڑ نہیں بھاتے۔ لڑکا کم از کم تین چار سال تو بڑا ہو۔"

"عجیب عجیب اعتراض لے کر بیٹھ جاتی ہو۔" ابو بڑبڑائے۔

میرا دل چاہا' وہاں سے چیخ کر کہوں کہ یہ فضول اعتراض نہیں ہے۔ حسن کے نام کے ساتھ ہی میری آنکھوں کے سامنے وہ دیوہیکل موٹر سائیکلیں بنا سائلنسر کے پھڑ پھڑانے لگیں۔

امی کی آواز اب بھی آرہی تھی۔

"آپ کی بہن۔۔۔"

ابو کے طعنے اب بھی سنائی دے رہے تھے۔

"اور وہ تمہارا بھائی۔۔۔"

بیچ بیچ میں امتیاز بھائی کیا کہنے کی کوشش کر رہے تھے، اس پہ میں نے دھیان نہ دیا اور بجھے دل کے ساتھ وہاں سے اٹھ آئی۔

*****

"اب بتاؤ تم کیا کہتی ہو۔"

امی نے تینوں پروپوزل میرے سامنے رکھ کے مجھ سے رائے طلب کی۔

"ممانی کی ہمت کیسے ہوئی' دوبارہ میرا نام لینے گی؟"

میری سوئی اس پہلے پروپوزل پہ ہی اٹک گئی تھی اور

مسلسل جھٹکے کھا رہی تھی۔ ماموں شاید شرمندگی کے مارے امی کا سامنا نہ کر رہے تھے۔ ممانی ہی آئی تھیں۔۔۔ الوینہ کے سلسلے میں منہ کی کھانے کے بعد لیکن انہوں نے تو بڑا سینہ ٹھونک کے اعلان کیا تھا کہ میں دنیا کی آخری لڑکی بھی ہوئی تو وہ کبھی مجھے اپنی بہو نہیں بنائیں گی۔ میں امی کو اس اعلان کے بارے میں بتانا چاہتی تھی۔

"شہاب بھائی جان نے زور دیا ہو گا۔ پہلے کسی طرح قابو میں آگئے تو اس کا مطلب یہ تو نہیں کہ ان کے دل

سے بہن اور بھانجی کی محبت بالکل ہی نکل گئی ہے۔" وہ پھر سے باتیں دوہرانے لگیں۔ اتنی جلدی انہوں نے سب کچھ بھلا دیا لیکن میرے لیے وہ سب بھلانا ناممکن تھا۔

"تمہارے ابو اس سنی پہ ریجھ گئے ہیں۔ میں نے تو کہا تھا کہ میں اپنی بیٹی کا مزاج سمجھتی ہوں' وہ اسے پسند نہیں کرے گی' وہ ہیں کہ میری بہن۔۔۔ میری بہن الاپتے پھر رہے ہیں۔"

"اف۔۔۔" میں نے اپنا سر تھام لیا۔

"کیا آئندہ زندگی میں میرے ساتھ بھی یہی کچھ ہونے والا ہے۔" میں ان کی باتوں کے جواب دینے کی بجائے کچھ اور ہی سوچنے لگی۔

"ممانی امی سے خار کھاتی ہیں کہ وہ ان کے شوہر کی چہیتی بہن ہیں۔ امی کو پھوپھو کھٹکتی ہیں کہ وہ ابو کی لاڈلی بہن ہے۔ کل کو شاید میں اپنی نند اور وہ مجھ سے یونہی بیزار رہنے والی ہیں۔ کیا عورتوں کی قسمت میں یونہی اپنی محبتوں کے بارے میں خواری کی حد تک تسلط پسند رہنا لکھا ہے۔ جب ماں باپ کی محبت' بہن بھائی کی محبت' اولاد کی محبت بانٹی جا سکتی ہے تو شوہر کی کیوں نہیں؟ امی کو ابو کا ہم پہ توجہ دینا تو برا نہیں لگتا۔ صرف ارسہ پھوپھو پہ ہی کیوں؟ یہ سسرال ہمیشہ بری لگنے والی چیز کیوں ثابت ہوتی ہے؟ کیا شادی کے بعد میں بھی بدل جاؤں گی؟ اپنے شوہر کے آگے ایک دیوار بن کے ڈٹ جاؤں گی۔ اس تک کسی کو نہ پہنچنے دینے کے لیے اور کیا ودیعہ بھی۔۔۔ اور کیا نادیہ۔۔۔؟" نادیہ کا نام ذہن میں آتے ہی میں بری طرح چونکی۔

"نہیں' سب نہیں۔ سب کے ساتھ ایسا نہیں ہوتا۔ نادیہ بھی تو ہے جو اپنے سسرال والوں کی خاطر امی تک

سے جھگڑ پڑتی ہے۔ ان کے خلاف مذاق تک میں کچھ سننے پہ تیار نہیں ہوتی۔"

لو' میں ادھر کیا پہاڑے سنانے بیٹھی ہوں جو تم سر ہلاتی"

جا رہی ہو۔ میرے سوال کا جواب دو۔"

امی نے مجھے جھنجوڑ ڈالا۔ میں اپنی سوچوں سے باہر نکل آئی لیکن اس سے پہلے میں ایک فیصلہ کر چکی تھی۔

"سب سے پہلے آپ ممانی کو انکار کا فون کیجیے اور صرف خالی انکار کا نہیں' صاف کہہ دیجیے یہ انکار ہادیہ کی جانب سے ہوا ہے اور اس کا خیال ہے کہ شہیر کے ساتھ اس کا گزارا کسی حال میں نہیں ہونے والا۔"

امی چند سیکنڈ غصے سے مجھے دیکھتی رہیں۔ حیران اس لیے نہ ہوئیں کہ انہیں مجھ سے اسی کی توقع تھی۔ وہ بھائی کی محبت میں میکے کی جانب سے ہونے والی زیادتیاں فراموش کرنے کا حوصلہ رکھتی ہوں گی لیکن اپنی اولاد کے ظرف سے بھی آگاہ تھیں۔

"یعنی تمہاری پھوپھی کو ہاں کہلوادوں؟" کہنا وہ چاہ رہی تھیں کہ "ہو گئیں نا تم باپ کی پارٹی میں۔"

"میں نے یہ تو نہیں کہا۔" میں اطمینان سے اپنی چوڑیوں سے کھیلنے لگی۔

"تو۔۔۔ تو یعنی۔۔۔ یعنی کہ تم۔۔۔ جانتی ہو' تم کیا کہہ رہی ہو؟" انہیں مجھ سے ہر بات کی توقع تھی' صرف اسی ایک بات کی نہیں۔

"میں نے خوب سوچ سمجھ کر یہ فیصلہ کیا ہے۔ باقی آپ میرے بڑے ہیں جو آپ کا فیصلہ ہو گا' وہ مجھے منظور ہے۔"

"لیکن تم نے یہ فیصلہ کیسے کر لیا۔۔۔ وہ تو۔۔۔ کمال ہے۔" وہ حیران ہوتی اٹھ گئیں۔ شاید ابو کو حیران کرنے کے لیے۔

****

جی ہاں' آپ نے درست اندازہ لگایا۔

میں نے تیسرے رشتے پہ اپنی آمادگی ظاہر کی تھی اور یہ تیسرا رشتہ وہ تھا جو امتیاز بھائی کے توسط سے آیا تھا' ان کے سب سے چھوٹے بھائی کا۔

میں نے یہ فیصلہ کیا سوچ کے کیا تھا' یہ میں امی کو تو نہ بتا پائی آپ کو بتا دیتی ہوں۔

میں جاننا چاہتی تھی آخر اس گھر میں ایسا کیا ہے جو سسرالی رشتوں میں ڈھلنے کے بعد بھی وہاں کا کوئی فرد دل میں کینہ' عداوت اور حسد نہیں رکھتا۔ آخر ان لوگوں میں ایسی کیا بات ہے جو نادیہ انکی بہو' بھابھی' دیورانی بننے کے

بعد بھی ان کے خلاف ایک لفظ تک سننے پہ تیار نہیں ہوتی۔ یہ سب جاننے کے لیے ضروری تھا کہ میں خود اس گھر کی بہو' بھابی' دیورانی بنتی اور میں یہ بات بھی جان گئی تھی کہ باعث شرمندگی یہ بات نہیں کہ کسی کی کوئی حرکت دوسروں کے لیے مذاق کا موقع فراہم کرتی ہے۔۔۔ شرمندگی کا مقام تو وہ ہے کہ جب کسی کی کوئی حرکت دوسروں کی دل آزاری کا باعث بنتی ہو۔

امی ابو امتیاز بھائی کی باتوں پہ اوپر اوپر سے بھلے کتنا ہی بےزاری جتاتے ہوں' یہ حقیقت ہے کہ اتنے سالوں

میں ایک بار بھی وہ نادیہ کے حوالے سے تشویش میں مبتلا نہیں ہوئے۔ پھوپھو ٹھیک کہتی تھیں کہ کسی داماد میں اور کیا خوبی ہونی چاہیے اور امتیاز بھائی کے اس بھائی میں تو قدرے زیادہ خوبیاں متوقع ہیں۔ وہ بھی اگرچہ اپنے بھائیوں کے ساتھ ٹیکسٹائل کے بزنس سے وابستہ ہے مگر اعلیٰ تعلیم یافتہ ہے۔

رہا حسن۔۔۔یعنی سنی۔۔۔تو پھوپھی نامراد نہ رہیں۔ انہوں نے اپنے بھائی سے ان کی بیٹی کے لیے خواہش ظاہر کی تھی میرا نام تو نہیں لیا تھا۔ ان کی جانب سے آئی انگوٹھی اب ودیعہ کی انگلی میں سجی ہے۔

ختم شد